

احمد علی ایلیا ۲۴۵

کتابت

۶۱

۲۴۵

۲۴۵

۲۴۵

# شمس الاسلام

ماہنامہ

بھیرہ — (مغربی پاکستان)

سید سیاح الدین — کا کاخیل

ماہنامہ

## شمس الاسلام بھیرہ

ترجمہ: سید سیاح الدین کانگھیل

سالانہ چنلہ

فی پرچہ ۱۲

ہر انگیزی ماہ کی  
پانچ تاریخ کو  
شائع ہوتا ہے

جلد ۳۰

رمضان ۱۳۷۸ھ مطابق اپریل ۱۹۵۹ء

## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	کارروائی علیہ سالانہ	ادارہ	۴
۲	شذرات	مولوی اقبال احمد خان سیپیل مرحوم	۶
۳	نعت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۸
۴	نیا ارتداد	مولوی عبداللہ جاوید ہاشمی عبداللہ پوری	۹
۵	سیرت نبوی میں مکارم اخلاق اور ان کی اہمیت	ادارہ	۱۵
۶	اسلامی سیرت و کردار کی بنیادی خصوصیات	سید سلیمان ندوی مدظلہ	۱۷
۷	اعتکاف	ادارہ	۲۱
۸	موجودہ کی عید	ادارہ	۲۳
۹	عید کی مسرت	ادارہ	۲۶
۱۰	صدقہ فطر اور عید کے مسائل	ادارہ	۲۹

دائرہ میں سرخ نشان چنلہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ پی آر سال ہوگا جس کے زائد اخراجات بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چنلہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خلا رادی پی واپس کر کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (غلام حسین مینجر رسالہ)

سرخ نشان

باہتمام غلام حسین ایڈیٹر پرنٹر سید بشر ثنائی بقی پریس سرگودھا میں چھپ کر دفتر جریدہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ سے شائع ہوتا

# مژدہ جانا

طالبانِ علوم و دینیہ کو اس مژدہ جانفزا سے خورشند کیا جاتا ہے کہ کراۃ العلوم عنزیہ کا داخلہ چھ شوال سے بیس شوال المکرم تک کھلا رہیگا۔ جس میں تمام علوم و فنون کی کتابوں اور درس نظامی کی تدریس کا انتظام ہے۔

بہارِ طلباء

کے سبق و طبق کا انتظام بحزب الانصار کی طرف سے ہوگا

ناظر مژدہ العلوم عنزیہ  
بہار

# کارروائی جلسہ لائے حزب الانصار بھیرہ!

از قلم صاحبزادہ انوار احمد بھگوی بھیرہ

جلسہ مرکزی حزب الانصار کی تبلیغی انتہائی سالا  
کا نفرمنس تاریخ ۲۷-۲۸ فروری و یکم مارچ ۱۹۵۹ء  
کو منعقد ہوئی۔ جس میں مختلف اصناف کے ہزار ہا ماسچین  
کے علاوہ سب سے علمائے کرام اور مشائخ عظام سے شرکت  
فرما کر کارکنان حزب الانصار کی حوصلہ افزائی فرمائی جن  
کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ محبوب بک حضرت صاحبزادہ محبوب الرحمن صاحب لہی
- ۲۔ عمدۃ السالکین حضرت مولانا محمد حنیف صاحب
- ۳۔ عمدۃ الدواعین حضرت پیر قطبی شاہ صاحب
- ۴۔ داعی شریعہ بیان مولانا کریم بخش صاحب
- ۵۔ مبلغ اسلام مولانا محمد امیر الدین صاحب
- ۶۔ فاضل نوجوان مولانا غلام مجتبیٰ صاحب
- ۷۔ ضعیف اللسان مولانا غلام اصفیاء صاحب
- ۸۔ خطیب پاکستان حضرت مولانا سید غلام محی الدین صاحب گپنے
- ۹۔ مجاہد ملت ضعیف الکلام حضرت مولانا سید فتح الرحمن صاحب
- ۱۰۔ منظر اسلام حضرت مولانا قاضی محمد صبغۃ اللہ صاحب
- ۱۱۔ مخزن احیاء حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب جامی
- ۱۲۔ خطیب مکران حضرت مولانا سید عبدالرحمن صاحب
- ۱۳۔ منظر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب ایم۔ اے
- ۱۴۔ بانی تعلیم الفت عالم بے بدل حضرت مولانا سید نور الحسن صاحب بناری
- ۱۵۔ جناب محترم حکیم مولانا محمد عالم صاحب بھمپوری

- ۱۶۔ جناب محترم حضرت مولانا درویش محمد صاحب
- ۱۷۔ جناب محترم سید نذیر حسین شاہ صاحب خلیفہ ڈوٹنٹ
- ۱۸۔ جناب محترم حضرت مولانا سیف الرحمن صاحب لہی
- ۱۹۔ مولانا محمد رمضان صاحب
- ۲۰۔ صوفی محمد بخش صاحب چشتی و محبت خان صاحب اور
- صوفی عطاء محمد صاحب نعت غوان نے شرکت کی۔

مدعوین حضرات میں سے مولانا عبدالتار تونوی اور حضرت  
صاحبزادہ ضعیف الرحمن صاحب بی۔ اے تشریف نہ لائے۔  
۲۷-۲۸ فروری و یکم مارچ کے ہر سہ ماہیہ ان مٹ نقوش کی مانند  
یادگار میں گئے جبکہ جامع مسجد کا وسیع صحن غلامان مصطفیٰ سے تنگ ہو  
گیا تھا۔ اور قال اللہ و قال الرسول کے خوش کن پیغامات مردہ لوں  
کو گرما رہے تھے اور جامع مسجد انوار و تجلیات سے بقیعہ نور نظر  
آ رہی تھی۔

## افتتاح

۲۷ فروری ۱۹۵۹ء بروز جمعۃ المبارک کو ایک بچے جیسا  
اول کا افتتاح نعرہ لائے سے کیا گیا۔ جنگی بیعت سے  
درو دیوار لرز تے نظر آتے تھے سب سے پہلے تلاوت قرآن مجید  
اور گھمائے رنگارنگ کی نعتیں بارگاہ رسالت میں پیش کی گئیں  
نعرہ لائے تبجیر رسالت، تحقیق میں حضرت مولانا افتخار احمد  
صاحب بھگوی امیر حزب الانصار نے خطبہ مستونہ کے بعد  
ارشاد فرمایا کہ اللہ حکمی کا ہزار ہا شکر ہے کہ  
اس نے زندگی میں دوبارہ مل کر احکامات الہی ارشادات

اپنا دھن بھنچا ہوں کہ جن کی دریا دلی سے یہ قدیمی  
دینی احادیث خدمتِ دین کو انجام دے رہا ہے  
اللہ جل جلالہ ایسے تمام حضرات کی جان، مال و عزت  
میں برکت دے

### امین یا نبی الامین

آپ جامع مسجد کے شمالی اور جنوبی بلند و بالا میناروں کو  
دیکھ رہے ہیں جن کی اوپر کی منزل امتدادِ زمانہ کے باعث  
شکستہ ہو چکی تھی۔ اس کو از سر نو تعمیر کرایا گیا ہے  
جن کو جسے جامع مسجد تین صد پانچ سوپہ  
کی مقررہ ہے۔

حزب الانصار کی طرف سے چلتا پھرتا مبلغ شہداء الاسلام  
باقاعدہ جاری ہے۔ اس کی سرپرستی فرماتیں۔  
ہر سال ایام میں چھ احباب اس جلسے میں ملنے کو نام  
شأن قرآن، شأن رسالت، شأن صحابہ  
و اولیاء، اصلاح الرسوم اور باہمی اتفاق و اتحاد  
پر تکرار فرماتیں۔

ان ہر سال ایام میں تمام مبیہ و فی مہانوں کے قیام  
طعام کا انتظام مجلس حزب الانصار کی طرف سے  
بلا معاوضہ رہا۔

ہزاروں مہین حضرات شریک ہو کر علمائے کرام اور  
صوفیائے عظام کے موعظِ حسنہ سے مستفیض ہوئے۔

۴

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سننے کی توفیق مرحمت فرمائی۔  
حضرات! حق جل جلالہ کے فضل و کرم سے مجلسِ جریۃ الانصار  
انہی تیس منزلیں پوری کر چکی ہے اور اب اکتیسویں منزل  
کی طرف اس کا قدم اٹھ رہا ہے۔

### دارالعلوم عزیزیہ

میں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ معانی غرضیکہ تمام فنونِ معقولہ  
منقولہ کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔

آپ سن کر خوش ہوں گے۔ کہ اس سال سے دارالعلوم  
عزیزیہ کے ساتھ پرائمری سکول کا اجراء کر دیا گیا ہے۔  
جبکہ وجہ سے دارالعلوم عزیزیہ میں داخلہ ہونے والے طلبہ دنیاوی  
تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور شہری بچے جو سکول میں داخل ہیں ان کے  
لئے ضروری دینی تعلیم کے علاوہ اسلامی حکیم کی تعلیم لازمی ہے تاکہ  
پرائمری کی تعلیم حاصل کرنے تک بچہ حوائفِ حجبین ختم کئے  
اس وقت سوا دو سو طالب علم تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن میں غریب و  
نادر بچے قیام پذیر ہیں اور جن کے جملہ اخراجات۔ قیام طعام  
سبق طباق کا دارالعلوم عزیزیہ کفیل ہے حضرت جہتم  
صاحب دارالعلوم عزیزیہ نے دارالعلوم کا سالانہ آمد و خرچ  
کا گوشوارہ پیش کرتے ہوئے بتایا۔ کہ دارالعلوم کی مستقل  
آمدنی نہیں ہے۔ محض اربابِ خیر کی توجہ اور سالانہ دورہ کرنے  
سے دارالعلوم کو اللہ کو میرے چلا رہا ہے طلبائے دارالعلوم اور  
حبیبہ کی فداک کا سالانہ خرچ تقریباً ساڑھے پانچ سو من  
گندم ہے اس کے علاوہ ماہانہ خرچ تقریباً ساڑھے سات صد روپیہ  
ہے جس میں تنخواہِ معلّین۔ مبلغین اور مبلغین کے احباب  
شامل ہیں۔

میں ایسے تمام حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا

# تذرات

قدیم جدید علوم کا  
جامع نظام تعلیم

اب تک ہم نے اس ملک میں جدید علوم و فنون کے لئے ایسی درسگاہیں تھیں جن کے ذریعہ مغربی علوم اور مغربی تہذیب و تمدن اور نئی ترقیوں سے ہماری قوم کے نوجوان کچھ واقف اور کسی قدر آشنا ہو گئے۔ اور انہوں نے جہاں کچھ جدید معلومات حاصل کر کے (اگرچہ خود تو کئی ایجاد و انکشاف نہیں کیا اور نہ کر سکے لیکن) نت نئے تحقیقات و انکشافات سے خوشہ چینی کی۔ اور پھر ان کی روشنی میں اپنی زندگی کے ہر شعبہ کی تنظیم کی۔ لیکن بد قسمتی سے وہاں ان درس گاہوں میں آفتاب اسلام کی ضیا بار روشنی نہ پہنچ سکی۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی اخلاق و تعلیمات سے مسلمانوں کے لوہالوہ اور دینی خاندانوں کے چشم و چراغ بے بہرہ رہے۔

ڈھونڈنے والے تاروں کی گڈر گاہوں کے اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنے کے

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ملک کا سارا نظام تعلیم ایک ایسی قوم کی حکومت کے ہاتھ میں تھا جو ہماری مذہب ہماری ملی روایات، اور ہماری قوم کے ساتھ سخت عداوت رکھنے والی جنہی قوم تھی۔ اور دشمن کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر طرح سے دشمنی کرتے۔ دوسری طرف انگریزی غلبہ و استیلاء کے بعد اولوالعزم اور مجاہد فطرت حکمائے دین کی کوششوں سے جگہ جگہ عربی دینی مدارس قائم ہوئے۔ اور ان حضرات نے بڑی مشکلات میں پھنس کر اور نا موافق ماحول کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ان مدارس کو چلایا۔ ان عربی مدارس و مسکتب کے ذریعہ اسلامی علوم و فنون اور اسلامی اخلاق و اعمال اور اذکار و نظریات کی اشاعت تو ہوتی رہی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی خدمت تھی جو انہوں نے

سرا انجام دی ہے لیکن ہر آن متغیر ہونے والے اس عالم حادث کے نئے نئے تقاضوں اور نت نئے تجربوں اور علمی ترقیوں سے وہ طلبہ علوم نا آشنا رہے۔ جن کے آباد و اجداد نے کسی دور میں ایجاد و اختراعات اور علوم و فنون کی ترقی میں اقوام عالم کی امامت کی تھی۔ اللہ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ ان حضرات علماء کرام کے پاس وہ ذرائع و وسائل نہیں تھے جو جدید علوم کی تعلیم و تدریس اور تجربات کے لئے ضروری ہیں۔ انہوں نے خالص مذہبی تعلیم کو بھی جن نامساعد حالات میں بچایا وہ بھی ان کی کرامت ہے۔ غرض یہ ہے کہ جدید قدیم کے یہ دو دریا ایک دوسرے سے بہت دور اور بالکل اجنبی بن کر اس ملک کے میدان میں بہہ رہے تھے۔

ملک آزاد ہوا۔ پاکستان قائم ہوا۔ ایک نئی آزاد اسلامی مملکت وجود میں آئی۔ حالات بدل گئے۔ حالات کے تقاضے بدل گئے۔ کچھ نئی ضرورتیں سامنے آئیں جن کو پورا کرنا ملکی قومی اور دینی فریضہ ہے۔ اور اس فریضہ کو سرانجام دینے سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اسے ہاتھوں ایک نئے بند کی تعمیر ہو۔ اور وہ دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ نفع بخش بند ہو۔ جو دو الگ الگ پہننے والے دریاؤں کے پانی کو روک کر یکجا کر دے۔ اور دو باہم متضاد تہذیبوں کو گٹھے ملا دے جن کی علیحدگی اور رقابت دور حاضر کی سب سے بڑی بد قسمتی ہے۔ اور جن کا دھماکا ہی اس دور کے دکھ درد کا درمان ہے۔ اگر ہم بچے کے ایک ایسے پل بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ جس کے ذریعہ سے یہ دونوں نظام تعلیم اپنی اپنی خوبیوں اور اپنے اپنے کمالات کا ایک دوسرے سے تبادلاً کرنے لگیں۔ تو یہ کارنامہ ہو سکتی ہوئی انسانیت کے لئے آب حیات ثابت ہوگا۔ وہ موت کے پنجے سے نکل آئے گی۔ اور اس کا غمناک رعبہ چین ایک نئی بہار سے جھکا رہوگا۔ اس موقع پر اس شبہ کا ازالہ بھی ساتھ ہی ساتھ ضروری ہے کہ ہم تعلیم و تربیت کے ان دونوں نظاموں کو باہم دوگر ملانے کے لئے جس پل یا جس

نافذ کرنے میں کوئی مانع نہیں۔ اب پہلی صورت بھی نہیں رہی۔ کہ ایک اجنبی غیر مسلم اقتدار ہماری روحانیت کو کچلنے اور اخلاقی اقدار کو پامال کرنے کے لئے میکائے نظام تعلیم کو اسی طرح جاری رکھے اور ہمارے نوجوانوں کو اسلام سے دُور رکھ کر دل و دماغ سے انگیزہ "تیار کرنا" ہے۔ اور دوسری صورت بھی نہیں کہ ذرائع و وسائل کی کمی ہو۔ اور دین کے پورے علم کے ساتھ ساتھ وقت کے تقاضوں کے مطابق عصری علوم سے شناسا کرانے کا انتظام نہ ہو سکے۔ اور کوئی مجبوری مانع ہو کہ کامیاب نہ ہونے دے۔ اب تو بالکل موقع ہے کہ ان دونوں دریائوں کو ملا یا جائے۔ تعلیمی کمیشن کے محترم ارکان کو بھی اس طرز پر سوچنا چاہئے۔ کہ "مرج البحرین" ہی سے کامیاب اور ملی اور قومی ضرورتوں کو پورا کرنے والا نظام تعلیم برٹے کا راستہ ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ لائبریریں انجمن حیات اسلام جو قدیم تعلیمی ادارہ ہے ایک دارالعلوم کھولنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ اور اس کے لئے انتظامات زیر غور ہیں۔ انجمن کے محترم ارکان کی خدمت میں بھی یہ عرض ہے کہ وہ نہ خالص جدید طرز کا کوئی نیا کالج کھولیں کہ اس کی بھی ضرورت نہیں رہی اور نہ بالکل قدیم طرز کا مدرسہ ہو کیونکہ مفید دینی کام کرنے والے مدارس بھی ملک میں موجود ہیں۔ لیکن وسائل و ذرائع کے فقدان کی وجہ سے وہ جو کام نہیں کر سکتے وہ آپ کر دیجئے۔ یعنی مذہبی علوم کی تعلیم و تدریس کے مکمل انتظام کے ساتھ دیندار ماہر اساتذہ کے ذریعے مفید عصری علوم کا عربی زبان ہی میں کچھ انتظام کر دیجئے۔ نصاب تعلیم طریق تعلیم اور اساتذہ کے انتخاب میں ہی مقصد پیش نظر رہے۔ درحقیقت ایسا ہی دارالعلوم موجودہ حالات کا تقاضا ہے۔ اور وسائل رکھنے والی اس تعلیمی انجمن کے لئے مشکل نہیں۔

نہر کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ اس ذریعہ سے کوئی غیر متوازن اور ناموزوں تباہ ہو۔ اور دینی نظام تعلیم میں مغربی نظام تعلیم کے مضراثرات اور تباہ کن نظریات کو داخل ہونے کا موقع ملے۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اس راستہ سے اجنبی افکار و خیالات اور غیر اسلامی فلسفہ و اخلاق اور یورپ کے نظریات زندگی ہمارے نوجوانوں کے ذہن میں پہنچیں۔ اور ان کے دل و دماغ میں پیوست ہوں۔ ہم تو اس کو ایک خطرناک چیز اور دین و دانش کی تباہی سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ دینی نظام تعلیم کی اصل دولت اور اس کا بہترین مالی یعنی توحید و رسالت کا عقیدہ، وحی کا یقینی علم، آخرت اور جزا و سزا کا نظریہ زندگی اور اخلاق و اعمال کی اسلامی نیکیات ان جدید تعلیم کا ہوں کر برآمد کریں۔ اور مغربی نظام تعلیم کا بہترین مالی یعنی اس کے سائنسی تجربات تحقیقات، اسرار کائنات کے انکشافات، کارآمد مصنوعات، اور آرام دہ ایجادات اس دینی نظام کی طرف منتقل کریں۔ اور خد ماحصا و دوع مالک رہے عمل ہو۔

ہم چاہتے ہیں کہ موجودہ دُور میں ہماری درس گاہیں ایک جامع اور ہمہ گیر نظام تعلیم کے تحت علوم و فنون کے پچھلے مراکز بن جائیں۔ کہ یہاں سے ایسے اچھے علم اور ادب باب لسان و قلم تیار ہو کر نکلیں جو اچھوتے انداز میں لکھنے والے ادیب ہوں شیریں زبان خطیب ہوں۔ مختلف اسباب بیان پر قدرت رکھنے والے انشا پرداز اور بالغ نظر نقاد ہوں۔ بہتر عالم و فاضل اور دیاندار۔ مورخ ہوں۔ پختہ فکر فلسفی۔ حقائق زمانہ کے شناسا دانشور اور مایہ ناز محدث و فقیہ ہوں۔ حقائق زندگی کے بہترین جاؤ نگار و عکاس ہوں۔ دُور اندیش و دُور بین سیاستدان اور بلند پایہ اخبار نویس اور مقالہ نگار ہوں۔

موجودہ دور آزادی و حکمرانی میں مملکت پاکستان کے ارباب اختیار و اقتدار کیلئے ایسے جامع نظام تعلیم تجویز اور

# نعت سرارِ دو عالم علیہ السلام

(از مولوی اقبال احمد خان ہیکل مرحوم)

محمدؐ وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی  
محمدؐ یعنی وہ حرفِ نخستیں کلمہ فطرت کا  
وہ فاتح جس کا پرچم طلسمِ رنگارنگی گردوں  
وہ سلطانِ الامم، فخرِ دو عالم، برنجِ کبریٰ  
مبشیر جس کی بعثت کا، ظہورِ عیسیٰ مریم  
تراشا جس کے ناخن کا، ہلالِ آسمان منزل  
تعالیٰ اللہ، جمالِ مصطفیٰ کا حسنِ لاثانی  
محمدؐ وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبتانی  
محمدؐ یعنی وہ امضائے توقیعاتِ ربانی  
وہ اُمّی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ وِستانی  
رسالت جس کی تصدیقِ جلالِ حبیبی اذعانی  
مصدق جس کی عظمت کا، لبِ موسیٰ عمرانی  
غسلہ جس کے تلووں کا، زلالِ آبِ حیوانی  
کہ یکساں جمع ہیں جس میں تمام اوصافِ امکانی

دُعائے یونسی، خلقِ خلیلی، صبرِ ایوبی  
جلالِ موسوی، زہدِ یحییٰ، حسنِ کنعانی





# نیا ارتداد

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کا یہ مضمون عربی میں الانحران المسلمون کے خصوصی عربی رسالہ المسلمون دمشق میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع ہوا ہے مضمون چونکہ نہایت ضروری ہے اور اس میں بہت سی بنیادی اور کام کی باتیں موجود ہیں۔ اس لیے افادہ عام کی غرض سے اس کا اردو ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں جریڈیٹ الفرقان سے نقل کیا جا رہا ہے۔

(ادارہ)

اور یہ جو واقعات کبھی پیش آئے ان پر ہمیشہ دو اثر مرتب ہوئے۔ (۱) مسلمانوں کی طرف سے سخت ناراضگی اور ناپسندیدگی (۲) اسلامی سوسائٹی سے قطع تعلق۔ یعنی جو کوئی اپنے دین سے منھرت ہوتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے سخت غیظ و غضب کا نشانہ بنتا تھا۔ اور اس اسلامی معاشرے سے خود بخود منقطع ہو جاتا تھا۔ جس میں اس کی بود و باش ہوتی۔ مجرد ارتداد سے اس کے اور اس کے اہل قرابت کے درمیان تمام رشتے اور تعلقات کٹ جاتے تھے۔ اور ارتداد کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آدمی گویا ایک دوسرے معاشرے اور ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو گیا۔ مرتد کا خاندان اس کا بالکلہ بائیکاٹ کر دیتا تھا۔ اب نہ رشتہ رستا تھانہ نکاح۔ نہ اخوت نہ وراثت۔ ارتداد کی اگر کوئی لکھ کر بھی اٹھتی تھی۔ تو اس سے بین الادیانی کش مکش برپا ہوتی اور مسلمانوں میں عداوت اور اسلام کے دفاع کی نعر بیدار ہو جاتی تھی۔ جس اسلامی ملک میں ایسے واقعات پیش آجاتے تھے وہاں کے علماء و اعیان اسلام اور اہل قلم پر جوش طریقہ ہے ان کے خلاف صف آرا ہو جاتے، ان کے اسباب کا کھوج لگاتا اور اسلام کے بھائیں و بھائیوں کو سامنے لاتے تھے۔ اس سلمان

اسلام کی تاریخ میں ارتداد کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں سب بڑا اور سخت سانحہ ارتداد عرب تبائی کا ارتداد تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد پیش آیا۔ یعنی وہ بدست باغی تحریک جس کو ابو بکر صدیقؓ نے اپنے بے نظیر عزم و ایمان سے سر اٹھاتے ہی کچل دیا تھا۔ دوسرا بڑا ارتدادی واقعہ نصرانیت اختیار کر لینے کی دبا تھی۔ جو ہر پانیہ سے مسلمان کے اخراج کے بعد پھیلی اور بعض ان دوسرے ملکوں میں بھی رد و نما ہوئی جو مسیحی مغربی طاقتوں کے زیر نگیں تھے۔ اور عیسائی پادری اور مشنری وہاں اس مقصد کے لیے سرگرم عمل تھے۔ ان معتد بہ واقعات کے علاوہ ارتداد کے وہ اکاؤنٹ واقعات بھی ہیں کہ مثلاً ہندوستان میں کسی خفیہ العقل اور لپست طبیعت فرد نے اسلام کو چھوڑ کر برہمنیت یا آریہ سماج اختیار کر لی۔ لیکن ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر بد نصیب ہسپانیہ کے فتنہ نصرانیت کو ارتداد کہنا صحیح ہے تو اس کو مستثنیٰ کر کے کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کسی عام ارتداد سے آشنا نہیں ہوئی ہے جیسا کہ مورخین مذاہب کا اعتراف ہے۔

یا اگر برہمنیت اختیار کرتا تو بت خاں کی راہ لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ یہ ارتداد سب پر روشن ہو جاتا تھا اور مرتد دور سے پہچان لیا جاتا تھا۔ اس کی طرف انگلیاں اٹھتی تھیں۔ اور مسلمان اس شخص سے تمام امیدیں منقطع کر لیتے تھے۔ الحاصل عام طور پر کسی کا ارتداد کوئی راز نہیں ہوا کرتا تھا۔

یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے جو دین کی بنیادوں کے انکار پر مبنی تھے۔ جن کی بنیاد اس عالم میں گارفر مارٹن لوتھر کے انکار پر تھی۔ وہ با شہور قوت جو اس دنیا کو عدم سے وجود میں لائی اور جس کے دستِ تصرف میں کائنات کی زمام کار ہے۔ (الاکلہ الخلق والاہو) خبردار اسی نے تخلیق کی اور اسی کا حکم جلتا ہے) وہ فلسفے جو عالم غیب، وحی، نبوت، شرائع سماویہ اور روحانی و اخلاقی قدروں کے انکار پر مبنی تھے۔ یہ تھی مغرب کے لائے ہوئے تمام فلسفوں کی شریک بنیاد، جن میں کوئی علم الحیات اور ارتقاء کے مسائل سے بچھڑ کر رہا تھا کسی کا تعلق اخلاق سے تھا۔ کسی کا محور علم النفس تھا۔ اور کسی کا موضوع بحث سیاست و اقتصاد، یہ فلسفے اپنے موضوعات والہانہ میں خواہ بہ کتنے ہی مختلف تھے۔ تاہم اس نقطے پر سب ملتے تھے۔ کہ انسان اور کائنات کو محض مادی نظر سے دیکھیں اور ان دونوں کے ظاہری احوال و افعال کی مادی توجیہ کریں۔

یہ فلسفے مشرقی اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوئے اور اسکے باطن تک گھس گئے۔ یہ فلسفے سب سے بڑا دین تھے جو تاریخ میں اسلام کے بعد پیدا ہوا۔ سب بڑا دین اپنی وسعتِ اشاعت کے لحاظ سے سب سے گہرا دین اپنی جڑوں کے لحاظ سے اور سب سے طاقتور دین دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنے کے لحاظ سے۔ اسلامی ملکوں کا وہ طبقہ جو علم و فہم کے لحاظ سے ممتاز تھا۔ اس دین پر فریقہ ہو گیا۔ اس نے اسے نہایت خیر شکاری کے ساتھ حتیٰ تو اتارا اور اطمینان کے ساتھ ہضم کر لیا۔ وہ اس دین کا ٹھیک اسی طرح پیروں میں گیا جس طرح ایک مسلمان اسلام کا۔ اور ایک مسیحی مسیحیت

معاشرہ کا حال یہ ہوا تھا جیسے تعلق و اضطراب اور غیظ و غضب کی ایک سوج اگر سب کو تدبیر بالا کر گئی ہو۔ یہ حوادث مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے، اور کیا خواص دیکھا عوام سب کے لیے ایک ہی بات، اور ایک ہی فکر ہوتی تھی۔ یہ ہوتا تھا اسلامی سوسائٹی پر واقعات ارتداد کا ردِ عمل اور ان کی لازمی خصوصیت، حالانکہ نہ یہ کسی وسیع پہاڑ پر پیش آتے تھے۔ اور نہ زندگی پر ان کے کچھ ایسے اثرات ہی پڑتے۔

لیکن اب کچھ عرصہ سے دنیا نے اسلام کو ایک ایسے ارتداد سے سابقہ پیش آیا ہے جس نے اس کے اس سرے سے اس سرے تک آفت مچائی ہے۔ یہ اپنی شدت و قوت اور وسعت و حق میں اب تک کی تمام ارتدادی تحریکوں سے بازی لے گیا ہے کوئی ملک نہیں ہے جو اس کی غارتگری سے بچا ہوا ہو۔ بلکہ ملک تو ملک خاندانوں میں ایسے مشکل ہی سے محفوظ رہے ہوں گے جو اس کی دستبرد سے محفوظ ہوں۔ یہ وہ ارتداد ہے جو مشرقِ اسلامی پر یورپ کی سیاسی اور تہذیبی تاخت کے پیچھے پیچھے آیا ہے۔ یہ سب سے عظیم ارتداد ہے۔ جو عہد رسالت سے لے کر آج تک کی اسلامی تاریخ میں رونما ہوا ہے۔

شرعیات اسلامی کی اصطلاح میں ارتداد کے کیا معنی ہیں؟ ایک دین کے بدلے دوسرا دین اور ایک عقیدے کے بدلے دوسرا عقیدہ اختیار کرنا، رسولی جو تعلیمات لے کر آیا۔ جو کچھ اس سے لازماً منقول ہے۔ اور جو کچھ اسلام میں قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس سے انکار کرنا!! اور ایک مرتد کیا رویہ اختیار کرتا تھا؟ رسالتِ محمدی دینی صاحبِ اہلِ صلوات و اسلام کا انکار کرتا تھا۔ اور مسیحیت، یہودیت یا برہمنیت کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ یا الحاد کی راہ اپناتا اور وحی و رسالت اور آخرت سے منکر ہوتا تھا۔ یہ ارتداد کے وہ معنی ہیں جن سے پرانی دنیا یا پرانی سوسائٹی واقف تھی۔ بہرہ شخص جو اپنا دین چھوڑتا تھا اگر مثال کے طور پر نصرانی بن جاتا تو کلیسا میں داخل ہوتا یا یہیل میں جاتا

اس پر غالب ہو گیا ہے۔ اور اس کے اکثر اور مقدر انہی کا  
دین یہی مادہ پرستی اور زندگی کا مغربی فلسفہ ہے جو اتحاد پر مبنی  
ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے جس نے عالم اسلامی کو اس  
سرے سے اس سرے تک تاراج کیا ہے، گھر گھر اور خاندان خاندان  
اس کا حملہ ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں، اسکولوں اور اداروں سب  
پر اس کی یورش ہوئی ہے بشکل ہی سے کوئی ایسا خوش قسمت خاندان  
ہوگا جس میں اس دین کا کوئی پیروکار پرستار اور عقیدت گزار موجود  
نہ ہو۔ تم جب ذرا اس سے تنہائی میں باتیں کرو گے۔ کچھ پھیرو گے  
اور اندر کی بات اگلاؤ گے تو دیکھو گے کہ یادہ ایمان باللہ سے محروم  
ہوگا۔ یا ایمان بالیوم والا سرے سے خالی ہوگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم پر ایمان نہ رکھتا ہوگا۔ یا قرآن کو ایک معجزہ ابدی کتاب اور  
حیات نہ مانتا ہوگا۔ اور ان میں سب غنیمت وہ ہوگا جو کہیں  
کہ میں اس قسم کے مسائل پر غور نہیں کرتا۔ اور ان کو کوئی بڑی امت  
نہیں دیتا۔

بلاشبہ یہ ارتداد ہے۔ لیکن اس نے مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف  
نہیں کھینچی، کیوں؟ اس لیے کہ اس ارتداد کا مارا ہوا کلیسا یا سیکل میں  
نہیں جاتا۔ اور نہ اپنے ارتداد اور تبدیلی مذہب کا اعلان کرتا ہے۔ نہ منکر  
اس پر چونکتا ہے کہ احتساب و عقاب کی صورت پیش آئے اور فصل و قطع  
کا معاملہ درپیش ہو پس وہ بدستور اسی سوسائٹی اور معاشرہ میں رہتا ہے  
اپنے تمام حقوق حاصل کرتا ہے بلکہ معاشرہ پر حاوی ہونے تک کا موقع  
اس کو مل جاتا ہے۔ یہ عالم اسلامی کا نہایت اہم مسئلہ اور بڑا قابل فکر  
معاملہ ہے۔ ارتداد پھیلتا ہے۔ اسلامی معاشرہ پر حملہ آور ہوتا ہے۔  
اور اس پر کوئی چونکتا تک نہیں۔ علماء امت اور مجال دین اس سے کوئی  
پریشانی اور سبب حرجی نہیں محسوس کرتے۔ پہلے جب کوئی مسیحیہ  
پیش آتا تھا تو لوگ اس کو حل کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو یاد کیا کرتے

حتیٰ کہ وہ اس پر جان دیتا ہے۔ اسکے شعائر کی عزت کرتا ہے  
اس کے رہنماؤں اور اعیوں کی عظمت کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اپنے  
ادب اور تالیفات میں اس دین کی دعوت دیتا ہے۔ اور جو دین  
جو نظام اور جو طرز فکر اسکے معارض ہوتا ہے اسکی تحقیر کرتا ہے  
اس دین کے ہر پیروے وہ اخوت کا رشتہ استوار کرتا ہے اور  
اس طرح یہ تمام افراد ایک امت ایک خاندان اور ایک گروہ  
بن گئے ہیں۔

یہ نیا دین۔ اگرچہ اس کے پیرو اس کو "دین" کا نام دینے  
سے انکار کرتے ہوں۔ کیا ہے؟ کائنات کو جو دین لانے والی  
اس عظیم و خیر پرستی کا انکار جو مالک تقدیر بھی ہے۔ اور رہائے حیات  
بھی (الذی قد سرحدہ) حیات بعد الموت، جنت و جہنم  
دوزخ اور ثواب و عذاب کا انکار، نبوت و رسالت کا انکار، شرع  
سماویہ اور حدود و شریعہ کا انکار اور اس حقیقت کا انکار کہ اللہ نے  
اپنی تمام مخلوق پر اپنے عظیم تر رسول (خاتم الرسل) کی اطاعت فرض  
کی ہے۔ اور ہدایت و سعادت کو اسکی پیروی میں منحصر کر دیا ہے  
اور اس بات کا انکار کہ اسلام وہ آخری اور دائمی پیغام ہے جو  
دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا کفیل ہے اور زندگی کا ایک نظام  
ہے جو سب اعلیٰ و افضل ہے۔ اور وہی وہ دین ہے جس کے  
علاوہ کوئی دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں اور جس کے بغیر دنیا کی نجات  
و سعادت کا کوئی امکان نہیں۔ اور اس کا انکار کہ دنیا انسان کے  
لیے پیدا کی گئی ہے۔ اور انسان اللہ کے لیے۔

آج جس طبقہ کے ہاتھ میں اکثر ممالک اسلامیہ کی زمام حیات  
ہے وہ اسی دین کا پیرو ہے۔ اگرچہ یہ سب بگلی ایمان اور مگر  
عمل میں ایک درجہ کے نہ ہوں۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اس  
طبقہ میں ایسے افراد بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اسلام  
کی پیروی کرتے ہیں مگر اس طبقہ کا وہ وصف جو افوس ہے کہ

اور نہ ان کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ مستقبل کا دور انہیں کا تھا۔ اس نوخیز نسل کو اس بات کا قائل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ اسلام ایک سدا بہار پیغام اور دین انسانیت ہے قرآن ہی تنہا وہ معجز اور ابدی کتاب ہے جس کے عجائبات کی انتہا نہیں جس کے ذخائر فکر یہ کا اقتحام نہیں اور جس کی جدت پر کھنکھی کا گز نہیں رسول اپنی ذات سے ایک زبردست معجزہ، تمام نسلوں کا رسول اور تمام زمانوں کا امام ہے۔ اسلامی شریعت، قانون سازی کا ایک میبای نمونہ ہے۔ اس میں زندگی کے ساتھ چلنے اور اس کے صحیح مطالبات کا جواب دینے کی پوری صلاحیت ہے۔ ایمان و عقیدہ اور اخلاق و روحانی اقدار ہی وہ بنیادیں ہیں جن پر ایک شریف سوسائٹی اور پیکر تمدن کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔ نئی تہذیب کے پاس صرف ذرائع و وسائل ہیں۔ اخلاق و عقائد اور غایات و مقاصد کا سرچشمہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں۔ اور ایک متوازن اور صالح تمدن کا قیام صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ مقاصد و وسائل صحیح تناسب کے ساتھ جمع ہوں۔

یہ صورت حال اور یہ وقت تھا۔ جب یورپ اپنے فلسفوں کا لشکر لے کر اسلامی دنیا پر حملہ آور ہوا۔ وہ فلسفے جن کی تدوین اور تراش و خواش بڑے بڑے فلاسفہ اور یگانہ روزگار شخصیتوں کی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ تھی۔ جنہوں نے ان پر ایسا علمی اور فلسفیانہ رنگ پڑھایا تھا کہ معلوم ہو یہ فکر انسان کی معراج ہے۔ مطالعہ و تحقیق اور عقل انسانی کی پرواز اس پر ختم ہے۔ اور غور و فکر کا یہ وہ پنجرہ ہے جس کے بعد کچھ اور سوچا نہیں جاسکتا۔ حالانکہ ان فلسفوں میں کچھ چیزیں وہ تھیں جو تجربات و مشاہدات پر مبنی تھیں اور وہ بھی عقیدوں اور باتوں پر مبنی تھیں وہ عقیدے جو معنوں و نظموں اور فرضی تخلیق پر مبنی تھیں گویا ان میں جس جتنی تھا وہ اعلیٰ علمی علم ہی تھا اور جہل علمی و مغرب و محتاجی بھی تھی اور شعائر و تحریکات بھی شعاعی یہ تھیں کہ نظم و انضباط ہی میں منحصر ہے۔ فلسفہ و علم کے میدان میں بھی ہوتی ہے۔

تھے ایسے موقع پر عرب، ایشیائی قضیہ وکلا اباحین لھا اس اذداد کے موقع پر مسیحیت حضرت ابوبکر کی شان عزیمت یاد آتی ہے۔ اور کہا پڑتا ہے۔ قضیہ وکلا ابابکر لھا۔ لیکن یاد رکھیے یہ مسئلہ جنگ نہیں پامتا اور نہ اس پر اسے عامہ کو بھڑکانا درست ہے۔ یہ برا فرختگی اور سختی سے حل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ سختی و انصاف سے نبھانے کی اور تندہ کو اور بھڑکانے کی۔ اسلام قضیہ تحقیقاتی عدالتوں سے آشنا نہیں ہے۔ اور نہ وہ جوہر و ظلم اور دادرسی ہے۔ یہ معاملہ غم و حکمت اور صبر و تحمل چاہتا ہے۔ اور اس سے نپٹنے کے لیے غور و فکر اور گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

یہ بنیادیں اسلامی دنیا میں کیوں کھیل سکا؟ کیسے اسے یہ طاقت ہو سکی کہ مائٹوں پر عین ان کے گھر کے اندر جا کر حملہ آور ہو سکے؟ اور کیوں کہ اس کے لیے ممکن ہوا کہ لوگوں کی عقل اور طبیعتوں پر اس قدر قوت کے ساتھ مستولی ہو جائے؟ یہ سب سوالات ہیں جو بڑی گہری اور دقیق مشعر اور بڑے وسیع مطالعہ کو چاہتے ہیں۔

قصہ یوں ہوا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام پر تحکات اور بڑھاپے کے آثار طاری ہونے لگے دعوت و عقیدت اور علم و عقلیت کے لحاظ سے وہ انتہائی ضعیف و انحطاط میں مبتلا ہو گئی۔ اسلام تو بے شک بڑھاپے کی منزل سے نا آشنا نہیں ہے۔ اسکی مثال سورج کی سی ہے کہ قدیم ہونے کے باوجود ہر وقت جدید اور ہر دم جوان۔ لیکن یہ مسلمان تھے جو ضعیف و پیری کا شکار ہو گئے۔ نہ علم میں وسعت رہی نہ شکر میں ندرت نہ عقل کی عبقریت نہ دعوت کا جوش و ولولہ نہ الا ماشاء اللہ اسلام کو مؤثر طریقہ پر پیش کرنے کا سلیقہ مزید برآں یہ ہوا کہ تعلیماتہ و فرائض سے راجح نہیں رکھا گیا

جس کی تاسیس و ترکیب عقیدے کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور مخصوص عقائد کے بغیر اسلامی معاشرہ وجود ہی میں نہیں آتا۔ لیکن سینے مرتدین اصرار کرتے ہیں کہ اس معاشرہ کے نام پر فائدہ حاصل کرتے ہوئے اپنی جگہوں پر جگے رہیں اور اسلام کے جتنے ہوئے تمام حقوق سے مستمع ہوتے رہیں۔ یہ ایک نرالی صورت حال ہے جس سے اسلام کی تاریخ کو کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

اس صورت حال کا ہمیں بہت و استقلال اور حکمت دانائی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ دنیا نے اسلام پر آج ایک دینی، فکری اور تہذیبی ارتداد کی سخت مصیبت آئی ہوئی ہے۔ یہ مصیبت ان تمام لوگوں کے غور و فکر کا موضوع بنی چاہیے جو اسلام گرد رکھتے ہیں۔ آج ہر اسلامی ملک کے جدید تعلیمی طبقہ کا حال یہ ہے کہ اعتقاد ایمان کا سرشتہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ اخلاقی بندشیں وہ توڑ کر پھینک چکا ہے۔ انداز فکر اس کا سر تا سر مادی ہو چکا ہے۔ اور اس میں اس نے لادینیت کا نظریہ اپنایا ہے۔ اگر اکثر کا لفظ بولتے ہوئے مجھے خوف بھی ہو تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو اسلام پر ایک عقیدے اور ایک نظام کی طرح ایمان نہیں رکھتے اور مسلمان عوام۔ باوجودیکہ ان میں خیر و صلاح کے تمام جوہر موجود ہیں۔ اور وہ اپنی طبیعت سے انسانیت کا صالح ترین گروہ ہیں۔ اس طبقہ کی علمی بالا تری، ذہنی تفوق اور اثر و نفوذ کی بنا پر اس کے ماتحت اور مطیع ہیں۔

اگر یہ صورت حال یوں ہی چلتی رہی تو یہ اتحاد و فساد ان عوام میں بھی گھس کر رہے گا۔ دیانتوں کے سادہ دل مسلمان بھی اس کی لہروں سے نہ بچ سکیں گے اور کھیت اور کارخانوں کے مزدوروں کا بھی دین و ایمان یہ ٹپٹ کر کے چھوڑے گا۔ یہ سب کچھ اسی رفتار اور انداز سے یورپ میں ہو چکا ہے، اور اگر حالات کا رخ اور رفتار یہی رہی، اور اللہ کا ارادہ قاہرہ بیچ میں حالی نہ ہو گیا۔ تو مشرق میں بھی سب کچھ ہونے جا رہا

یہ فلسفے مغربی فاتحین کے جلو میں آئے اور مشرقی عقل و طبیعت نے فاتحین کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت بھی قبول کر لی۔ مشرق کے تعلیم یافتہ طبقہ نے بڑھ کر ان کو قبول کیا۔ ان لوگوں میں وہ بھی تھے جنہوں نے سمجھ کر قبول کیا تھا۔ مگر وہ کم تھے، زیادہ تر وہ تھے جو ذرا بھی نہیں سمجھتے تھے لیکن معتقد اور مومن سب اور سب ایک سرے سے مسحور۔ ان فلسفوں پر ایمان لانا ہی عقل و خرد کا مہیا بن گیا۔ اور اس کو روشن خیالوں کا شمار سمجھا جانے لگا۔

اس طرح یہ الحاد و ارتداد اسلامی ماحول اور اسلامی اردو میں بغیر کسی شورش اور کش مکش کے پھیل گیا۔ نہ باپ اس انقلاب پر چونکے نہ اساتذہ اور مربیوں کو خبر ہوئی اور نہ غیرت ایمانی بکھنے والوں کو کوئی جنبش ہوئی۔ اس لیے کہ یہ ایک خاموش انقلاب تھا۔ اس الحاد و ارتداد کو اختیار کرنے والے کسی کلیسا میں جا کر نہیں گئے ہوتے۔ نہ کسی معبد میں داخل ہوئے۔ نہ کسی بت کے آگے انھوں نے ڈنڈوت کی۔ اور نہ کسی استھان پر جا کر تسبیح پڑھائی یا پیش کی۔ اگلے دور میں یہی سب علامات تھیں جن سے کفر و ارتداد اور زندہ کاظم ہوتا تھا۔

لگے مرتدین اسلامی سوسائٹی کو خیر باد کہہ کر اس سوسائٹی سے منسلک ہو جایا کرتے تھے جس کا دین انھوں نے اختیار کیا ہوتا تھا اور اپنے عقیدے کی تبدیلی کا صراحت اور جرات کے ساتھ اعلان کر دیتے تھے پھر جو کچھ نئے مذہب کی راہ میں انھیں برداشت کرنا پڑتا تھا۔ برداشت کرتے تھے انھیں اس پر اصرار نہیں ہوتا تھا کہ پرانی سوسائٹی میں جو حقوق اور منافع انھیں حاصل تھے انھیں محفوظ رکھنے کے لیے اس سوسائٹی سے چپکے رہیں۔ لیکن آج جو لوگ دین اسلام سے اپنا تعلق منقطع کرتے ہیں۔ وہ اس پر تیار نہیں ہوتے کہ اسلامی سوسائٹی سے بھی اپنا رشتہ کاٹ لیں، حالانکہ دنیا بھر میں اسلامی معاشرہ ہی تنہا وہ معاشرہ ہے

اور ان کے نامہیں کی سیرت میں ہے۔ جیسے کہ حضرت علیؓ، احمد بن حنبلؓ، ابو حامد الغزالیؒ، عبدالقادر جیلانیؒ، عبدالرحمن بن الجوزیؒ، ابن تیمیہؒ اور شیخ احمد مجدو الف ثانیؒ

اس فرضیہ کی ادائیگی میں ایک دن کی بھی تاخیر کا موقع نہیں ہے جو دنیا کے عزیز ترین طبقوں اور بہترین حصوں میں پھیل چکی ہے۔ یہ اس عقیدے، اس نظام اخلاق اور ان اقدار کے خلاف بغاوت ہے۔ جو دنیا کے اسلام کی سب سے بڑی متاع ہے۔ اگر یہ دولت ضائع ہو گئی جو رسول کا ترکہ ہے۔ جسے شلوں پر نسلین منتقل کرتی ہوئی لائی ہیں اور جس کی راہ میں اسلام کے جاننازدوں نے مصائب کتنے ہی پہاڑ اٹھائے ہیں۔ تو سمجھ لیجئے کہ عالم اسلام بھی گمراہ ہو گیا ہے۔

نوٹ: اس مضمون کا دوسرا حصہ "دعوة جدیدہ" اشراقی ادارہ

## بقیہ عید کی مسرت و شادمانی،

سے غفلت نہ ہو اسی لیے عید کے دنوں موقعوں پر دو گانہ ادا کرنا ضروری سنت ٹھہرایا۔ تبصرہ کہتے ہوئے ایک راستہ سے عید گاہ کو جائیں اور دوسرے راستے سے لوٹیں تاکہ ہر طرف سلام کی شان شرمکت کا اظہار ہو اور وَلِّكِبْر وَاللّٰہُ عَلٰی مَا هَدٰ اَكْمَرُ کی تمیل ہو فقراء و مساكين کو صدقہ دے کر مالی عبادت بھی ادا کی جائے اور نماز عید پڑھ کر بدنی عبادت بھی ادا کر کے بنگی کا پورا پورا اظہار کیا جائے۔ ایک مسلمان کے لیے بس یہی طریقہ مسرت و شادمانی ہے۔

ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ دنیا کے اسلام جس کے ہم نے بہت گن گائے ہیں۔ اور اس کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ خاص طور سے ایک نئی اسلامی دعوت کا شدید محتاج ہے۔ ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ آج جو لوگ دعوتی کام کر رہے ہیں، ان کا یہ لغو اور نشانہ کہ "اڈ پھر سے ایمان لاؤ" درست ہے۔ مگر محض لغو کا کافی نہیں ہے عمل سے پہلے ضروری ہے کہ لائحہ عمل کا بہت بخیر تدبیر سے جائزہ لے لیا جائے۔ اور نہایت پرسکون اور گہری فکر کے ساتھ یہ سوچا جائے کہ یہ تعلیم یافتہ طبقہ جو زندگی کے سارے شعبوں پر قابض ہے اسے کس طرح از سر نو اسلام کی طرف لوٹایا جائے ہم کیسے اس میں ایمان اور اسلام پر اعتماد کی روح پھونک دیں کیسے ہم اس کو مغربی فلسفوں، لادینی نظریوں اور تذبذب حاضری غلطی سے آزاد کر آئیں؟

یہ دعوت۔ جس کے متعلق میرا یقین ہے کہ اس زمانہ میں سب سے افضل دعوت اور سب سے افضل جہاد ہے۔ ایسے مردان کار چاہتی ہے۔ جو صرف اسی کے ہورہیں۔ اپنا علم، اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال و متاع اس کے لیے وقف کر دیں۔ کسی جاہ و منصب یا عہد حکومت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں کسی کے لیے ان کے دل میں کینہ و عداوت نہ ہو۔ فائدہ پہنچائیں مگر خود فائدہ نہ اٹھائیں۔ دینے والے ہوں لینے والے نہ ہوں۔ جو طبقہ جس چیز کے لیے مرتا ہو اس کو اسی کے لیے چھوڑ دیں۔ حرص و دہوس کے میدان میں کسی سے کوئی فرائض نہ کریں حتیٰ کہ ان پر کوئی تہمت نہ لگائی جاسکتی ہو۔ اور شیطان ان کے خلاف کوئی ہتھیار فراہم کر کے نہ دے سکتا ہو۔ انھیں ان کا شمار ہو اور نفس پرستی، خود پسندی اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر نظر آتے ہوں۔

اس دعوت کا مزاج سیاست اور پارٹی بازی کے مزاج سے قطعاً مختلف ہے اس کے لیے اگر کوئی کمزور ہے۔ تو وہ انبیاء علیہم السلام

سیرت نبوی میں !

# مکارم اخلاق اور ان کی اہمیت

(از مولوی عبداللہ جاوید ہاشمی غازی پوری)

(۱)

ہے۔ چنانچہ محمد رب العالمین سید الکونین مبارک گاہ حضرت حق جل مجدہ میں دست بدعا ہوں۔

واھدنی لاحسن الاخلاق لایھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا کلا یصرف عنی سیئھا الا انت (مسلم شریف)

اے خدا مجھے بہتر اخلاق کی راہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر اخلاق کی راہنمائی نہیں کر سکتا اور مجھ سے بُری باتیں ہٹا دے تیرے سوا ان کو کوئی نہیں ہٹا سکتا۔

اپنے عمل اور اپنے لیے دعا کے ساتھ امت کو خطاب ہے۔

ان من خيارکم احسنہم اخلاقاً (بخاری)  
بے شک تم میں سے سب سے اچھا وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

ایک مومن اور مسلمان کی شان محض یہی نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور زکوٰۃ دے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی اس تعلیم اور اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر نظام حیات مرتب کرے جس کے اعجاز نے دنیا کو مہذب بنایا اور انسانیت کا جامہ پہنایا اور جس کو اخلاقی زندگی کہا جاتا ہے۔ کمال ایمان یہ ہے کہ اخلاقی اعلیٰ اور حسن ہو۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اکمل المہمین ايماناً احسنہما اخلاقاً (مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔)

اخلاق — عقائد و عبادات کے بعد اسلامی تعلیم کا وہ ذریعہ باب ہے جہاں سے حسن خلق رحم و کرم، عدل و انصاف، محبت و شفقت، جود و سخا، ایثار و ہمان نوازی، حسن معاملی، عدم تشدد، امن و امان، عفو و درگزر، ایمانی عہد، مساوات انسانی، شرم و حیا، علم و بردباری، زہد و قناعت، حسن سلوک، رقیق القلبی، تواضع و انکساری اور عزم و استقلال کی ذرائع کرنیں پھوٹ پھوٹ کر عالم کی تائیکیں کو زور سے اور ظلم و تشدد کے قہر کو زور طوفانوں کو سکون و طمانیت سے بدلتی نظر آتی ہیں۔

یوں تو دنیا کے اکثر مذاہب اپنے ادیان کی بنیاد اخلاق پر رکھتے ہیں اور اپنے راہنما کی پوری زندگی کے متعلق بڑے بڑے اخلاقی دعوے کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان دعوؤں کی حقیقت ان کی عملی زندگی میں کیا ہوتی ہے۔؟ یہ اصحاب حقیقت اور راہب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

لیکن مذہب اسلام کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں پیغمبر اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی ممتاز و ارفع نظر آتی ہے۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بہشت کا مقصد ارشاد فرماتے ہیں۔

انما بہشت لا تمم مکارم الاخلاق (میری بہشت کا مقصد یہ ہے کہ میں اخلاقی حسنہ کی تکمیل کروں)  
تکمیل مقصد کے لیے سب سے پہلی شرط توفیق اور امداد خودی

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

ان الرجل لیصل الی خمس خلقه درجۃ قائم اللیل وصائم

(بخاری)

النہاس

(ایک شخص بے شک حسن اخلاق کی بدولت وہ درجہ پاسکتا جو دن بھر روزہ رکھنے، رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے) قائم اللیل، صائم النہاس۔ کی فضیلت اور اس کا شرف مرتبہ جاننے والے جانتے ہیں کہ کتنا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ایک بااخلاق انسان جو جوہر اخلاق سے مزین ہے اس کو اس کے ہم مرتبہ یہ مرتبہ دیا جا رہا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس سے بھی آگے نبی کریمؐ اس کی انضیلت ارشاد فرماتے ہیں۔

ما من شیء یوضع فی المیزان اقل من حسن الخلق قال صاحب الخلق یبلغ بہ درجۃ صاحب الصوم والصلوۃ

(ترمذی)

(میدانِ حشر میں حسن خلق سے زیادہ کوئی بھاری چیز میزانِ عمل میں نہ ہوگی، کیونکہ صاحبِ اخلاق اپنے حسن خلق سے ہمیشہ کے روزہ دار اور اور نمازی کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔)

لیکن تو خداوند کریمؐ کی بے شمار نعمتیں اور لاحدود عطیات ہیں جس سے انسانی زندگی مشرف ہوتی رہتی ہے۔ اور بے انتہا احسانات ہیں جس سے مخلوق خدا مستفید ہوتی ہے۔ لیکن سب بڑی دولت کیا ہے؟ اس کو صادق مصدق نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی لسانِ مقدس سے سنیں: ارشاد فرماتے ہیں — خیر ما عطا الناس خیر من

(خداوند کریمؐ کی نعمتوں اور عطیوں میں سب سے بہتر عطیہ حسن خلق ہے) نہ یہ کہ اخلاقی زندگی کا اثر دنیا میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کے

مفید اثرات سے معاشرے کو سکون و اطمینان ملتا ہے۔ بلکہ اخلاقِ حسنہ خداوندِ قدوس کی بارگاہِ الہیہ تک پہنچانے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ اخلاق ہی کی بدولت انسان خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے — ارشاد ہے۔

احب عباد اللہ الی اللہ احسنہم اخلاقاً (طبری)

(اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے زیادہ محبوب بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں)

خدا کی محبوبیت اور اس کی رضا حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور رضا حاصل کرنا بھی مومن ہی کی شان ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور آپؐ کی خوشنودی کے حاصل ہو سکتی ہے۔؟ سنیں! ارشاد ہوتا ہے۔

ان احبکم الی و اقربکم معنی فی الآخرۃ جالس محاسنکم اخلاقاً و انت البغضکم الی و البعدکم معنی فی الآخرۃ مساویکم اخلاقاً (ابن حنبل)

تم میں سے زیادہ محبوب اور نشست میں زیادہ قریب مجھے آخرت میں وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں گے۔ اور تم میں سے زیادہ مبغوض اور دور مجھ سے آخرت میں وہ ہوگا جس کے اخلاق سب سے خراب ہوں گے)

اخلاق کی اہمیت کا اندازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے کیا جاسکتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اخلاق کی کیا اہمیت ہے۔ یہ تو آپؐ کی تعلیم تھی جو آپؐ نے اخلاق کے متعلق امت کے سامنے پیش کی۔ اب انشاء اللہ! آئندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی زندگی پر قرآن کی شہادتیں، رفتار اور صحابہ کی تصدیق اور کفار کا اعتراف پیش کیا جائے گا۔ اس کے بعد آنحضرت کی عملی زندگی کے چند گوشوں کو سامنے لایا جائیگا جن کا تعلق اخلاقی زندگی سے ہے۔ (باقی آئندہ)



# اسلامی سیرت و کردار کی بنیادی خصوصیات

(۲)

عفو

عفو کا مفہوم معاف کر دینا ہے۔ لیکن اس مفہوم میں وہ بہت ساری چیزیں شامل ہیں جو الگ الگ بھی شمار ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا چونکہ اس صفت سے گہرا تعلق ہے اس لیے ہم نے اس کے تحت شامل کر دیا ہے۔ مثلاً غصہ کا ضبط کرنا۔ صبر و تحمل اور بردباری وغیرہ جب دو آدمیوں کا تعلق قائم ہوگا۔ تو ایک فطری امر ہے کہ ہر ایک سے بہت ساری ایسی چیزیں سرزد ہوں گی۔ جو دوسرے کے لیے ناگواری تلخی۔ تکلیف۔ اور اذیت کا باعث ہوں گی۔ جن پر اسے غصہ آئے گا اور جن میں سے بعض پر اسے قانوناً بدلہ لینے کا حق بھی ہوگا۔ ایک پیار و محبت کا تعلق اپنے استحکام کے لیے اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر محبت غالب آئے۔ اور ایک بھائی میں اتنی وسیع قلبی ہو کہ وہ اپنے غصہ کو پی جائے۔ اور باوجود انتقام کی قدر کے انتقام نہ لے۔ اور اس طرح عفو کی روش پر کاربند ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خاص شیوہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آپ کو بے شمار حُکْمِ نصیحت کی ہے۔

وَرَحِمَدُ الْعَفْوَ فَاَعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

اور مسلمانوں کو تقویٰ کی صفات بتلاتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ

وَالْحَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران)

غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو ان کی غلطیاں معاف کرنے والے

جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچے یا کوئی نقصان، تو سب سے پہلے غصہ اس کے دل و دماغ پر قابو پانے کی کوشش شروع کرتا ہے اور اگر غصہ دل و دماغ پر قابو پالے۔ تو پھر غصہ تو دیکھ کر آدمی ایسی ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے کہ آئندہ کو خوشگوار تعلقات کی امید بالکل منقطع ہو جاتی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے آدمی کو اپنا غصہ پی جانے کی فکر کرنی چاہیئے۔ جب ہی وہ ٹھنڈے دل سے معاملہ پر غور کر سکے گا۔ اور پھر اگر غصہ کی پالیسی اختیار نہ بھی کرے تو کم از کم عدل سے تو تجاوز نہ کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف فرمودات میں اس کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اس کو دبا دینے کی ترغیب دی ہے۔ فرمایا۔

ان الغضب لیفسد ایمان بے شک غصہ ایمان کو اس طرح کھارے کہ لیفسد الصبر العسل۔ خراب کر ڈالتا ہے جس طرح ایلا (سہمی بھالہ حکوۃ) شہد کو

ما تجزع عبد افضل عند بندہ کوئی گھونٹ نہیں بیتا جو اللہ اللہ عزوجل میں جوعۃ کے نزدیک اس غصہ کے گھونٹ غیظ یكظمها ابتغاء وجه سے زیادہ بہتر ہو۔ وہ خدا کی خوشی اللہ تعالیٰ (رواہ احمد بن ابن کی خاطر پی جاتا ہے۔ عمر بن الخطاب مشکوۃ)

اس طرح آپ نے صبر کی تعلیم دی۔ اور بتایا کہ سب سے بہتر رویہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آدمیوں پر صبر کرے اور ہل چل کر رہے

بجائے اس کے کہ قطع تعلق کرے۔

آپ نے فرمایا :-

المسلم الذي يحاط الناس  
ويصبر على اذاهم افضل  
من الذي لا يحاط به  
لا يصبر على اذاهم - عن  
ابن عمر ترمذی و ابن ماجہ مشکوٰۃ

وہ مسلمان جو لوگوں سے بلا جلا رہے  
اور ان کی اینٹاؤں پر صبر کرے اس  
سے بہتر ہے جو لوگ بلا چھوڑ دے اور  
ایٹاؤں پر صبر نہ کرے۔

(۴۳۳)

ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ کو نصیحت کرتے ہوئے آپؐ نے  
منجملہ اور باتوں کے یہ فرمایا کہ  
جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور وہ صرف خدا کی رضا جہتی  
کے لیے خاموش رہے۔ تو اللہ تعالیٰ خود اس مظلوم کی زبردست  
مدد کرے گا۔

صبر سے آگے مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو خوش  
دلی کے ساتھ معاف کر دے باوجود اس کے کہ وہ انتقام اور  
بدلہ کی طاقت رکھتا ہو۔ چنانچہ اپنے مندرایا کہ حضرت محمدؐ  
علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ بندوں میں کون  
تیرے نزدیک زیادہ عزیز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔  
قال من اذا قتل عذره وہ شخص جو انتقام کی قدرت رکھنے  
(عن ابی ہریرہؓ) کے باوجود معاف کر دے۔

اور اس طرح جو آدمی اپنے بھائی کا عذر نہ قبول کرے اس  
کو یہ وعید سنائی اور فرمایا کہ۔

من اعتذار الی اخیه جس نے اپنے بھائی سے اپنے قصو  
فلم یعذرہ اولہ لقیل کا عذر کیا اور اس نے اس کو معذرت  
عذر علیہ مثل خطیئہ صاحب نہ سمجھایا اس کا عذر قبول نہ کیا تو

مکتس - عن جابر بن عبد اللہ  
مشکوٰۃ ۴۳۹  
اس پر اتنا گناہ ہو جتنا گناہ  
(ایک ناجائز) محصول وصول کرنے  
والے شخص پر ہوتا ہے۔

اور آخرت میں بھی ایسے شخص کے لیے بہترین اجر و ثواب ہے  
چنانچہ آپؐ فرمایا۔

من كظم غيظاً وهو يقدر  
على ان ينفقه كادعا الله  
على امره الحلال في يومه القیامۃ  
حق بخیر کافئ ای خورما  
متناع - ترمذی و ابوداؤد عن  
سہیل بن معاذ بحوالہ مشکوٰۃ  
شریف ۴۳۲

جس نے غصہ ضبط کر لیا اس حال  
میں کہ وہ اسے پورا کرنے کی قدرت  
رکھتا تھا۔ قیامت کے دن خداوند  
تعالیٰ اسے تمام مخلوق کے سامنے  
بلائے گا اور جس خور کو چاہے اسے  
انتخاب کرنے کا اختیار دیدے گا

جو لوگ اس دنیا میں دوسروں کو معاف کریں گے۔ اللہ  
تعالیٰ ان کی خطائیں معاف کرے گا۔

وليعفوا وليصفحوا الا  
تجرون ان يغفر الله لكم  
والله غفور رحیم  
چاہیے کہ وہ عفو و درگزر سے کام  
لیں کیا تم اسے پسند نہیں کرتے  
کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اللہ  
تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا  
ہے۔

برائے برابر برائے سے بدلہ لینے کا حق ہے۔ لیکن جو معاف  
کر دے تو اس کا اجر خاص اللہ کے ذمہ ہے۔

و جزاء سيئة سيئة برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے  
مثلاً من عفا و اصلح پس جس نے معاف کیا اور اصلاح  
ناجور علی اللہ انتہا لا کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے  
يجب الظالمین دشمنانہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

عفو کی یہ صفت پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ بڑے عزم

سب سے اہم اور پہلی چیز جس سے روکا گیا ہے وہ حقوق میں دست درازی ہے۔

ہر انسان اس کائنات میں کچھ حقوق میں دست درازی | حقوق کا مالک ہوتا ہے یہ

حقوق کائنات کی ان اشیاء میں بھی ہوتے ہیں جن کو انسان اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ اور ان انسان پر بھی جن سے وہ تعلقات قائم کرتا ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس بات کی سختی سے نگہداشت کرے کہ اس کے بھائی کے ان دو قسم کے حقوق میں سے کسی حق کو غصب کرنے کا جرم اس سے سرزد نہ ہو۔ مال یا زمین یا مادی فوائد میں جو حق اس کے بھائی کا ہو وہ خود نہ حاصل کرے۔ اور اس کی جان و مال عزت و آبرو اور دین کی طرف سے جو حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ادا ہونے سے نہ رہ جائے۔ یہی وہ حقوق ہیں کہ جن کے بارے میں شرع نے بے انتہا تفصیل اختیار کی ہے وراثت، نکاح و طلاق اور دوسرے معاملات میں سے ایک ایک معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حدود عائد کر کے ان حقوق پر دست درازی سے روکا ہے۔ ان حقوق کی مزید تفصیلات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ پھر جہاں جہاں یہ حدود بیان ہوئی ہیں وہاں انتہائی سخت انداز بیان اختیار کر کے دائی حقوق اور خوف خدا کی نصیحت کی ہے اور ان کو توڑنے کے عواقب سے آگاہ کیا ہے۔

۱) تَلَّكَ حَدُّهُ اللّٰهُ فَلَا یَاۡمُنُ بِاللّٰهِ وَیَوْمَہٗ اَیُّۡمُنُ ۙ  
تعدد وھا و من یتعدی پس ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو  
حدود اللّٰہ فاولئک ہم کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز نہ کرے  
الظالمون (البقرہ) وہی ظالم ہے۔

۲) تَلَّكَ حَدُّهُ اللّٰهُ وَ من یہ اللہ کی حدود ہیں۔ جو اللہ اور

ہمت کا کام ہے۔ وَلَٰكِنْ صَبْرٌ وَغَفْرٌ اِنْ خَلَّۡۤاۤ اوجس نے صبر کیا اور بخش دیا تو من عودہ الہوس یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

لیکن یہ وہ چیز ہے جو تعلقات میں بڑی بلندی اور پاکیزگی پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس لیے یہ ایک انتہائی اہم صفت ہے دوسرے صفات کا ذکر بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے ایک باہمی اعتماد۔ اور دوسرے قدر و قیمت کا احساس۔

اعتماد | اعتماد کا پورا پورا تصور دلالت کا وہ لفظ اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے جو قرآن مجید نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی تعبیر کے لیے استعمال کیا ہے۔ دراصل ملی کہتے ہی اس کو ہیں جو کالاً قابل اعتماد ہو جس کو آدمی اپنے تمام راز اور تمام معاملات پر دے اطمینان سے سپرد کر سکے۔ اخوت کے اس تعلق کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں پر اعتماد کرے اور ان کو اپنی زندگی کے معاملات میں برابر کا شریک بنائے۔

قدر و قیمت کا احساس | یہ آخری چیز ہے اور اس کا اپنے اس تعلق کی اہمیت اور حیثیت سے اتنا واقف ہو کہ اس کا دل اس کی صحیح قدر و قیمت محسوس کر سکے۔ جب ہی یہ ممکن ہوگا کہ آدمی کسی قیمت پر بھی اس تعلق کا ٹوٹا گوارا نہ کرے۔

ان بنیادی اصولوں اور صفات کی روشنی میں اللہ اور اس کے رسول نے ہم کو تفصیلی ہدایات دی ہیں۔ تاکہ تعلقات کو مطلوب معیار پر استوار کیا جائے۔ کچھ چیزیں منفی حیثیت رکھتی ہیں جو تعلقات کو خراب ہونے سے بچاتی ہیں۔ یعنی منہیات اور کچھ مثبت جو اس کو مزید استحکام اور محبت بخشتی ہیں یعنی موجبات،

یأتی یوم القیامۃ بصلوۃ میں اصلی مفلس وہ ہے جو قیمت  
وصایم و زکوٰۃ دیا کرتی قد کے دن نماز روزہ زکوٰۃ  
شتم ہذا و قذف ہذا جیسے اعمال کا ذخیرہ لائے اور  
داکل مال ہذا و مغلوم ساتھ ہی اعمال بد بھی لائے کہ کسی  
ہذا و ضرب ہذا فیعطی کو کالی دی ہے کسی پر تہمت لگا دی  
ہذا من حناتہ و ہذا ہے کسی کا مال کھایا ہے کسی  
من حناتہ فان فنیست کا خون بہایا ہے۔ اور کسی کو مارا  
حناتہ قبل ان یقضی ما ہے پھر ایک ایک مظلوم کو اس  
علیہ اخذ من خطایہم کی نیکیاں دکھ جائیں گی اور فیصلہ  
نظرحت علیہ ثم چکانے سے پہلے اگر اس کی نیکیاں  
طرح فی الساتر ختم ہو جائیں تو پھر حق داروں کی  
مسلم شریعہ بحر المحکومہ برائیاں لے کر اس پر ڈال دی  
جائیں اور پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے۔

دنیا میں تعلقات کو خرابی سے بچانے کے لیے اور آخرت  
کے اس عذاب سے بچنے کے لیے حقوق کا پورا تحفظ ضروری ہے  
اور اس لیے رسول اللہ نے خاص طور سے نصیحت کی ہے  
کہ موت سے پہلے اپنے مسلمان بھائیوں سے اپنی غلطیاں  
معاف کرالو۔

حقوق کے سلسلے میں بنیادی چیز یہ ہے کہ ایک مسلمان کے  
بھائی کا جسم اور آبرو اس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہے  
چنانچہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو ایک مسلم کی لازمی  
صفات میں شمار کیا۔ فرمایا۔

المسلم من سلم المسلمین من لسانہ و یدہ اور ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ  
(بخاری مسلم ترمذی وغیرہ) رہیں۔ (باقی آئندہ)

یطع اللہ و رسولہ یدخلہ اس کے رسول کی اطاعت کرے  
جنت تجری من تحتہ الا تو اللہ اسے ان باغوں میں داخل  
خالد بن یحیا و ذالک العود کرے گا جن کے نیچے نہیں بہتی  
العظیم و من یعص اللہ و ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہے  
رسولہ و یتعد حدودہ لگا۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے  
یدخلہ ناراً خلدلاً و لہ اور جو اللہ اور اس کے رسول  
عذاب مہین۔ کی نافرمانی کرے اور اس کی  
(نساء ۱۴-۱۵) حدود توڑ دے تو اللہ اسے  
آگ میں داخل کرے گا جہاں وہ  
ہمیشہ رہے گا۔ اور اس کے لیے ذلت دینے والا عذاب ہے  
بارگاہ رسالت سے مسلمانوں کے سامنے یہ بات اس طرح  
ارشاد فرمائی گئی۔

من اقتطع حق امرء مسلم بے شک اللہ تعالیٰ نے آگ کو دیا  
بیحیثینہ فقد اوجب اللہ قرار دیا اور جنت حرام کر دی آن  
لہ النار و حذر علیہ الجنۃ شخص پر جس نے قسم کھا کر کسی  
قیل دان کان شیا غایباً مسلمان کا حق مارا صحابہ کرام میں  
یاد رسول اللہ فعال دان سے کسی نے پوچھا اگرچہ وہ کوئی  
حان قضیباً من اراک معمولی سی چیز ہو! آگ سے فرمایا۔  
ہاں! اگرچہ وہ پیو کی ایک ناکارہ

اور معمولی سی شاخ ہی کیوں نہ ہو۔

ایک دفعہ آپ نے ایک بڑے موثر انداز میں اس بات کو  
دراضح کرتے ہوئے صحابہ سے پوچھا۔

اتدرہن ما اطلقن؟ جانتے مفلس کون ہے؟ صحابہ  
قالوا المفلس فینا من لا نے عام معنوں کے لحاظ سے کہا  
درہم لہ ولا شاع فعال کہ مفلس وہ ہے جو مال و متاع کو  
ان المفلس فی امتی من خالی ہاتھ ہو۔ آپ نے کہا میری امت

# اعتکاف

تمام رکھنے کا کام کر سکیں۔

جس طرح کسی بستی میں چند ڈاکٹر پیدا ہو جائیں تو ان کے ذریعے سے پوری آبادی کا علاج ہو جاتا ہے اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ ہر شخص کسی میڈیکل کالج میں داخلہ لے کر سیکھ لے کر اسے اسی طرح انسان آبادی کے اندر تبلیغ کی ضرورت اور دین کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرنے کے لیے بھی ہر شخص کا تیار ہونا۔ ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے بستی کے چند لوگ کافی ہیں۔ اعتکاف کے ذریعے ایسے ہی اشخاص کو تیار کرنا مقصود ہے۔ دس دنوں کے ان غیر معمولی حالات میں کچھ ایسے افراد تیار کیے جاتے ہیں۔ جو سال کے بقیہ آنے والے دنوں میں لوگوں کو فیض پہنچاتے ہیں یہ معاشرہ کی تربیت کا ایک نہایت محکم نظام ہے جس کو فرد کی تعمیل کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اعتکاف کر کے ایک طرف آدمی اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اور عین اسی کے ساتھ وہ اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرتا ہے۔ کہ وہ جس بستی میں ہے اس بستی میں دوسروں کے لیے حق کا گواہ بن سکے۔

(اعتکاف دنیا سے دور بھاگنا نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسی تربیتی کوشش ہے جس کے ذریعے آدمی دنیا میں رہ کر دنیا کے فتنوں سے بچ سکے۔ یہ دنیا سے الگ ہونا نہیں ہے۔ بلکہ یہ علیحدگی ایک داپسی کی خاطر ہے جس کے بعد آدمی زیادہ بہتر طریقہ پر دنیا میں زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے۔ اعتکاف کا مقصد یہ ہے۔ کہ فتنوں کی اس دنیا سے دور ہو کر اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ ذکر و شکر میں مشغول کیا جائے اور اس کے ذریعے سے ایسی

دفعات کے بیٹے میں جو اعمال کیے جاتے ہیں ان میں ایک اہم عمل اعتکاف بھی ہے جو سنت کفایہ ہے یعنی کسی بستی میں اگر چند آدمی اعتکاف کر لیں تو پوری آبادی کی طرف سے وہ کافی ہو جاتا ہے۔ روزہ کی تربیت جس کا تعلق ہر روزہ دار سے ہے۔ اعتکاف کرنے والوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا ایک مزید موقع دیا جاتا ہے۔ اس طرح روزہ دار اپنے دس دن صرف اس کام کے لیے مخصوص کر دیتا ہے۔ کہ وہ روزہ رکھے گا۔ نماز پڑھے گا اور شران کا مطالعہ کرے گا۔ اور ان فوائد کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرے گا جن کے لیے دراصل روزہ فرض کیا گیا ہے اعتکاف کے ذریعے ہر بستی میں چند ایسے اشخاص تیار کیے جاتے ہیں جو دوسرے کے ان فوائد کو پوری طرح حاصل کر چکے ہوں جس کو دوسرے لوگ اپنی مجبوریوں اور مشغولیتوں کی وجہ سے پوری طرح حاصل نہ کر سکے تاکہ یہ لوگ دوسروں کی رہنمائی کریں۔ جو ایمانی قوت انھوں نے حاصل کی ہے اس کو دوسروں تک پہنچاتے رہیں۔ اعتکاف کا مقصد یہ ہے۔ کہ روزہ کے تربیتی زمانے میں جو دنیوی علائق اس سے مکمل فائدہ حاصل کرنے میں روک بنتے ہیں۔ آدمی کچھ دنوں کے لیے ان سے بھی الگ ہو جائے اور بالکلیہ اپنے آپ کو اس تربیتی نظام میں ڈال دے۔ وہ اس دوران میں روزہ کے مخصوص زمانہ سے فائدہ اٹھانے کے سوا کسی اور کام سے کوئی غرض نہ رکھے۔ اس طرح اسلام ہر بستی میں اپنے وہ کارکن اور مبلغ تیار کرتا ہے۔ جو خود اعلیٰ اسلامی اوصاف سے مشصف ہوں۔ اور دوسروں کو اسلام کی طرف بلانے اور اسلام پر

(۱۸۵) بھی لایلیجیے جس میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن جس مہینہ میں اتارا گیا ہے وہ رمضان کا مہینہ ہے۔ تو یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ یہ مبارک رات رمضان کے مہینے کی کوئی رات ہے پھر اگر حدیث کی تصریحات بھی سامنے رکھی جائیں تو مزید معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ کی طاقی راتوں میں سے ہے جس کو خاص طور پر ۲۷ دس شب میں تلاش کرنا چاہیئے۔

سائل کی ایک رات کو یہ اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ اس کو خود اللہ نے بیان کر دیا ہے۔ اس کی یہ اہمیت اس لیے ہے کہ وہ قرآن کے نزول کی رات ہے۔ قرآن دراصل اپنے بندوں پر خدا کا سب سے بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک احسان وہ ہے جو ہم کو مادی دنیا کی شکل میں دیا گیا ہے ہم کو زندگی گزارنے کے لیے بے شمار چیزوں کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام چیزیں نہایت خوبی کے ساتھ دنیا کے اندر جمع کر دیں۔ مگر یہ نعمتیں ہماری صرف دنیاوی زندگی کو کامیاب بناتی ہیں۔ یہ صرف اس سو سال کے لیے ہیں۔ جو زمین کے اوپر ہمیں گزارنے ہیں۔ مگر دستان ابدی کامیابی کی شاہ راہ ہے۔ وہ ایسی باتیں بتاتا ہے جس کو بندہ اگر اختیار کرے تو وہ آخرت میں خدا کی

رحمتوں کا مستحق بن سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت کا دروازہ کھولتا ہے۔ جو کبھی بند ہونے والا نہیں ہے جس کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کبریٰ کے نزول کے دن کو ایک یادگار دن قرار دیا ہے۔ اور اس کو مخصوص اہمیت عطا فرمائی ہے۔ اس لحاظ سے شب قدر کی مثال دیسی ہی ہے جیسی کسی قوم کی زندگی میں اس کے یوم آزادی کی ہوتی ہو یہ دن قوم کے لیے خوشی کا دن ہوتا ہے۔ اس دن وہ اس کامیابی کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ جو انہیں آزادی کی شکل میں ملی ہے اس دن قوم کے دماغوں کو انعامات تقسیم کیے جاتے ہیں اور قومی زندگی کے پروگرام مرتب کیے جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح

طاقت حاصل کی جائے کہ جب آدمی وہاں سے فارغ ہو کر نکلتے تو برائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار ہو اور نیکیوں کے کرنے کا پہلے سے زیادہ جذبہ اس کے اندر پیدا ہو چکا ہو۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اعتکاف کی وجہ سے اگر کوئی شخص وقتی طور پر کسی نیکی کے کام شریک نہ ہو سکے تو اس کو بھی اس نیکی کا اجر ملے گا۔ ایسا اس لیے ہے کہ وہ پہلے سے اس کام میں لگا ہوا تھا۔ آئندہ وہ اس کام کو اور زیادہ بہتر طریقہ پر ادا کرنے ہی سے لیے اعتکاف میں گیا تھا۔ وہ عملاً چاہے اس وقت وہاں موجود نہ ہو۔ مگر بالارادہ وہ اس میں پوری طرح شریک ہے۔ روایت حسب ذیل ہے۔

عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی المعتکف ھو یعتکف المذنب ویجزي لہ من الحسنات کما عمل الحسنات کما عمل۔

یعنی "ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کو نیرالے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ گناہوں سے اعتکاف کرتا ہے اس کو اس دوران کی نیکیوں کا اجر اتنا ہی ملے گا جتنا کہ دوسرے نیکی کرنے والے کو ملے گا۔"

### شب قدر

قرآن کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ایک سورہ شب قدر کے بارے میں ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ یہ ایک رات ہے جو ہزاروں مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں ستر شے اور جبریلؑ اللہ کے حکم سے اترتے ہیں۔ ہر چیز کے لیے سلامتی ہے۔ اس کا وقت صبح کے طلوع ہونے تک ہے۔"

یہاں صاف یہ کہا گیا ہے کہ شب قدر ایک رات ہے۔ جس میں قرآن اتارا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اگر سورہ بقرہ کی آیت

# افادات سلیمانہ موجود کی عید

( از حضرت علامہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ )



اس طرح قومی دلی وحدت کا سماں مجسم ہو کر آنکھوں کے سامنے آجائے۔

دوسرا مقصد ان تہواروں کا یہ ہوتا ہے کہ واقعات خواہ چھٹے ہوں یا بڑے۔ وہ ہر حال کسی نہ کسی دن واقع ہوتے ہیں جب کسی دن میں کوئی ایسا تاریخی واقعہ کسی قوم و ملت میں پیش آتا ہے۔ جس کو یاد رکھنا اس کی اپنی قومی و ملی زندگی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تو اس دن کو یوم عید و جشن اور تہوار کا دن مان لیا جاتا ہے۔ تاکہ سال بسال اسکی یاد تازہ ہوتی رہے۔

یہی دونوں مقصد مسلمانوں کی عید میں بھی پنہاں ہیں، مگر سب سے پہلے یہ ہے کہ اس کے لیے کون سے دن منتخب کیے جائیں، ہندوؤں کے تہواروں پر غائر نظر ڈالو تو ظاہر ہوگا کہ اس نے اس کے لیے عجائبات قدرت اور زمین و آسمان کے فطری انقلابات کو زیادہ تر اپنی خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے اختیار کیا ہے، زمین کے موسموں تغیرات اور آسمان کے سورج اور چاند کی حرکات کو اپنی خوشی کے اوقات بنائے ہیں، جاڑا شروع ہوا تو ایک تہوار، گرمیوں کا آغاز ہوا تو ایک تہوار، برسات ہونی تو ایک تہوار، ساتھ ہی سورج گہن اور چاند گہن اور دوسرے ارضی و سماوی انقلابات اس کے تہوار کے دن ہیں۔

دنیا میں ہر مذہب و ملت نے سال کے مختلف دنوں کو قومی و مذہبی خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے چن لیا ہے اور چونکہ ہر مذہب و ملت کا نقطہ نظر یکساں نہیں اس لیے ان دنوں کے انتخاب اور تعیین میں بھی یکسانی نہیں۔ یہودیوں کے دن الگ ہیں، عیسائیوں کی تاریخیں دوسری ہیں۔ ہندوؤں کے تہوار اور ہیں۔ اور مجوسیوں کے ایام جشن خاص ہیں، اسی طرح مسلمان کی عیدیں بھی سب سے علیحدہ ہیں۔

ان عیدوں اور تہواروں کا ایک عمومی مقصد تو یہ ہے کہ ملت کے الگ الگ افراد اور خاص خاص خاندانوں کو گوسال کے مختلف دنوں میں خوشی و مسرت کے سلمان پیش آتے ہیں۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ زید کو خوشی ہے تو عمر کو نہیں۔ بکر کے گھر شادی ہے تو خالد کے گھر غم، ایک گھر سے انبساط کے نغمے بلند ہو رہے تو دوسرے گھر سے صدائے اقم غرض فطری طور سے انسانوں کی تممت میں یہ نہیں ہے کہ زید کی خوشی پوری قوم کی خوشی بن جائے۔ اور بکر کی مسرت پوری ملت کی مسرت کا باعث ہو جائے اس لیے جماعتی اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ سال میں کچھ دن ایسے مقرر کیے جائیں جن میں تمام افراد علیحدہ علیحدہ شخصیتوں کے احوال کا لحاظ رکھے بغیر خوشی و مسرت کا عام اظہار کر سکیں اور

انقلاب، ستاروں کے طلوع و مغرب، اور سورج اور چاند کے مختلف برجوں میں بہبوط و صعود کو نہیں تسلیم کیا کہ یہ تمام مرہم بت پرستوں اور ستارہ پرستوں کے علامات تھے۔ اور مخلوق کے مخلوق کو خدا بنانے کے نشانات تھے۔ اس کا مذہب مادہ پرستی سے مادہ تھا۔ اور وہ دنیا میں دائمی توحید کا آواز بلند کرنے کے لیے آیا تھا۔ وہ خدا کا پرستار تھا۔ اور اس کے سوا آسمان و زمین کے کسی سورج، کسی چاند، کسی موسم، کسی درخت، کسی پتھر کو اپنا معبود نہیں بناتا تھا۔ اس نے اپنے لیے کسی تاریخی فتح و قومی نجات کے دن کو بھی اُس کے لیے منتخب نہیں کیا، روزِ ہجرت بھی اس کی عید کا دن نہیں، بدر کا یوم الفتران بھی اس کی عید نہیں، بلکہ فتح مکہ کا دن بھی اس کا تہوار نہیں۔

اس نے اپنی ملت کی عمومی خوشی و مسرت کے لیے وہ دن مقرر کیا جو اس کی خیر و برکت اور نزولِ وحی کے مہینہ (رمضان) کے ختم کے بعد آیا۔ تاکہ خودِ خدا ہی اس کا بت نفوذ باللہ نہ ہو جائے۔ اسلام کی عید خوشی و مسرت کی عید ہے۔ شکرانہ کی عید ہے، تکبیر و تہلیل کی عید، سجدہ و عبودیت کی عید ہے۔ مگر کس خوشی کے واقعہ کے لیے؟ کس مسرت کے پیغام کے لیے؟ اس واقعہ مسرت اور پیغام خوشی کے لیے کہ خدائے واحد نے اپنے محدود کو اپنے پیغام سے سرفراز فرمایا، اس ظلمت کے میں ان کو نورِ نبوت، بتِ ستارہ پرستی، مخلوق پرستی اور مریا پرستوں کی باطل پرستیوں کی ضلالت سے نکال کر توحید کی ہدایت عطا فرمائی، شرعِ پاک میں ہے۔

شہورِ رمضان الذی انزل ید رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن فی القہر آن ہدی للناس لوگوں کے لیے ہدایت اور حق و دینیات من الہدیٰ و باطل میں تفریق کی دلیل بن کر اتارا الفرقان، جنہم شہد گیا توجہ کوئی اس مہینہ کو پاوے

موجودہ کے ہاں دوسرے تمام ارضی و سماوی انقلابات و تغیرات کو چھوڑ کر صرف اُس عظیم کی عظمت اور یاد ہے ان کے ایامِ جشن صرف خورشید اور کی نیلگوں کے نذرین، نوروز کے جشن، نئے سال کا آغاز اور بہار کے دن بھی ہیں۔

یونانیوں، رومیوں، مصریوں اور دوسری بت پرست قوموں میں تہوار کے یہ دن، ان کے علمِ لاهوت اور میتھ لوجی کے قصوں کی مناسبت سے تھے اور انھیں کی حرکتِ نقل رومیوں نے اتاری اور ان کو حضرت عیسیٰؑ کے یادگاری دنوں سے نسبت دیکر کرسس اور نیو ایرس ڈسے اور ایٹر بنا لیے، حالانکہ ان دنوں کو تاریخی حیثیت سے حضرت عیسیٰؑ سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ یہ دہی رومی بت پرستوں کے تہوار کے دن ہیں جن کو اپنے خدا کے بیٹے کے لیے بھی انھوں نے اختیار کر لیا۔

یہودیوں کی اکثر عیدیں خوشی کے بجائے غم کے دن ہیں اور ان کی حیثیت کفارہ کی ہے جس طرح مہینہ کا ہر ساتواں دن ان کا سبت تھا۔ اسی طرح ان کا سال کا ساتواں مہینہ ان کی یادگار اور کفارہ کا سال تھا، اس کی مختلف تاریخوں میں وہ روز رکھتے، اپنے کو غزوہ بناتے اور قربانی جلاتے تھے۔ پھر سات دن تک خوشی مناتے تھے۔ یہ روزے اور یہ غم اور یہ خوشی کے مظاہر سب کے ب سرزمینِ مصر سے نجات کی یادگاریں تھے جبکہ کہ تورات سفاکِ عبر کی نویں فصل میں اس عید کے تمام مراسم اور احکام کی تفصیل کے بعد آخیں ہے۔

”ساکہ تمہاری نسل و رسل جانیں کہ جب میں بنی اسرائیل کو زمینِ مصر سے نکال لایا۔ تو میں نے خیموں میں آباد کیا میں خداوند تمہارا خدا ہوں، سو موسیٰؑ نے بنی اسرائیل خداوند کی عیدوں کا ذکر کیا“

اسلام نے اپنی عید موسموں کے تغیرِ اجرامِ فلکی کے



علیٰ ماحد نکمہ (تاکہ تم خدا کے اس ہدایت دینے پر اس کی تکبیر (بڑائی) کہو۔)

دیکھو کہ عید کے راستہ بھر مسلمان اللہ اکبر۔  
اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ اکبر  
اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے  
سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے اور سب  
سے بڑا ہے۔ سب خوبیاں اسی کے لیے ہیں، کی صدا میں  
بلند کرتے جاتے ہیں۔ ہر نماز میں ایک دفعہ تکبیر ہے۔ تو۔  
عید کی نماز میں ہر رکعت میں چھ دفعہ اللہ اکبر اللہ اکبر  
کہتے ہیں۔ کہ لتکبروا للہ کی تعمیل ہو۔

اسلام نے اپنی عید کے لیے دنیا کی تمام قوموں اور  
ملتوں کے برخلاف شمسی تاریخ کا دن نہیں اختیار کیا کہ وہ یکساں  
طور سے واقع ہر کے لیے اس لیے تاکہ ستارہ پرستوں اور آفتاب  
پرستوں اور موسم پرستوں کے بالکل متضاد برخلاف موعودوں  
کی عید کا روز کسی ایک متعینہ شمسی یا قمری حرکات کا وقت نہ ہو  
اور باطن پرستی کی ہر علامت و نشان سے پاک و صاف ہو اور یہ  
نکتہ معلوم رہے کہ قمری حرکت آفتاب کی طرح ہمیشہ یکساں نہیں  
ہوتی، دوسری ملتوں کی طرح اس نے اپنی عید کو خوش گوئی، رنگ  
بیری، آتش افروزی اور جشن نوروزی کا مظہر نہیں بنایا، بلکہ  
صرف اسی خدا کے واحد کی پرستش، اس کی بڑائی کے اظہار اور  
اس کی تکبیر کی بلندی کا موعودوں کی عید کی شان ہی ہے۔  
اور ان کی خوشی کا جشن اسی میں ہے۔ کہ سب مل کر اس کے  
آگے سر بسجود ہوں۔ اور اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ  
اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد کا نعرہ بلند کریں۔

یہ موعودوں کی عید کا وہ سماں تھا جو اس کے عہد ازل  
کے نگارستان میں آج بھی نظر آتا ہے مگر اس پورے خوشی و

منکم الشہر فلیصمہ ط تو چاہیے کہ وہ مہینہ روزہ میں  
ومن کان مریضاً أو علیٰ گزاریے، اور جو بیمار یا مسافر ہو  
سفر نعدۃ من ایام اخر وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری  
یدید اللہ بکم الیس کہے۔ خدا تمہارے ساتھ آسانی  
ولا یؤدی بکم العسر نکلا چاہتا ہے سبختی نہیں اور تاکہ تم گنتی  
العدۃ ولتکبر اللہ علی ما پوری کر لو۔ اور تاکہ اس ہدایت کے  
ہذا کم ولعلکم تشکرون اٹھنے پر تم خدا کی بڑائیاں بیان کرو  
واذا سألکم عبادی عنی اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اور جب  
فانی قیسم اجنبی میرے بندے میری نسبت پوچھتے  
الداع اذا دعان ہیں۔ تو میں ان کے قریب ہی ہوتا  
فلیستجیبوا لی ویؤمنوا ہوں اپنے پکارنے والے کی پکار  
لعلہم یرشدون کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے  
پکارتا ہے تو چاہیے کہ لوگ مجھے  
جواب کے لیے پکاریں اور مجھ پر  
یقین رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔  
(بقرہ)

اس کے بعد پھر قرآن میں روزے کے احکام شروع  
ہوتے ہیں ان کی آیتیں آتی ہیں۔ ان اور کی مذکورہ آیتوں  
میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا گیا ہے۔ کہ رمضان  
قرآن پیام وحید، نزول ہدایت اور عطاے رہنمائی کی یادگار  
اور شکر کے لیے اور اس لیے کہ روزوں کی گنتی کامل  
ہونے کے بعد خدا کی بڑائی اور شکر کا مظاہرہ کیا جائے اور  
اس کو پکارا جائے جو ہمارے قریب ہی سے ہمارے دلوں کی  
آوازیں بھی سنتا ہے، یہی موعودوں کا روز عید اور یوم مرت  
ہے۔

یہی سبب ہے کہ عید کے دن نماز کے راستوں میں اور خود  
نماز میں سب سے زیادہ جس حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔ وہ لتکبروا للہ

خوشی کے اور جب اُن کے مسلمانوں کی کثرت پرستی پر نظر پڑتی ہے۔ تو عید کی خوشی، حرم کے غم سے بدل جاتی ہے۔  
مردہ اسلاف کے بیٹوں نے وہ کونسا در ہے جس کو خدا کا در نہیں بنالیا ہے۔ اور وہ کونسا دن ہے جس کو کسی نہ کسی کی نسبت سے دینی عزت نہیں بخشی ہے۔ اور وہ کون سی کچی عمارت ہے جس کو انھوں نے اپنا سجدہ گاہ نہیں بنایا۔؟

اسلام زندہ خدا کا زندہ پیام تھا۔ مگر ہم نے اس کو صرف "مردہ خداؤں" کے مردہ رسوم نیاز و عقیدت کا حریف بنالیا ہے اور جب کبھی ہمارے مقرر و محضر پورے جوش و خروش سے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا اصول پیش کرتے ہیں۔ تو وہ مسلمانوں کے عمل کو پیش کر کے ان کو نادیم و شرمندہ بنا دیتے ہیں! عزیزانِ توحید! صرف زبان کے کلمہ سے نہیں بلکہ دل کے یقین اور اعضاء کے عمل سے اپنی توحید کا اعلان کرو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد،

## عید کی مسرت و شادمانی،

میں دوسری مشرک قوموں کی طرح فصل و موسم اور دوسرے غیر موحّد مشاہد کو یادگار کا ذریعہ نہیں بنایا گیا۔ بلکہ دینی حنیف کے دو عظیم الشان واقعات کو اظہارِ مسرت کے لیے پسند کیا گیا۔ عید الفطر اور عید الفصحیٰ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خوشیوں اور غارِ کعبہ کی بناؤ اور حج کی اور عید الفطر اسلام کی آمد اور قرآن پاک کے نازل کی یادگار ہے۔

ان دونوں دنوں میں اظہارِ مسرت کے لیے عمدہ لباس پہناؤ خوشبو لگانا مسنون فرمایا اس کے علاوہ خوشی اور مسرت کے دوسرے جائز مباح کاموں کو بھی پسند فرمایا۔ عیدین کے دن خوشی و مسرت کے اس طریقہ اظہار کی اجازت کا فلسفہ یہ ہے کہ منظر کا تقاضا یہ ہے کہ قوم کی زندگی میں سال میں ایک موقع ایسے مذہبی و قومی جشن کے آئیں۔ جن میں لوگ کھل کر خوشی کر سکیں۔ اور متین سے متین آدمی کچھ دیر انبساطِ خاطر کا اظہار کرے۔ اسی لیے ان دنوں میں روزے رکھنے کی محنت آتی ہے اور ادب نے فرمایا ہے کہ یہ دن کھانے پینے، اہل عیال سے لطف اٹھانے اور یاد الہی کے دن ہیں۔

اسلام نے خوشی میں بھی اس کو یاد رکھا ہے کہ قلب کو خدا کی یاد باقی رکھنا۔

انسان کو جن چیزوں پر مسرت حاصل ہوتی ہے ان کی کوئی انتہا نہیں۔ مال و دولت، علم و فضل، عمدہ منصب، شادی بیاہ عید اور تہوار غرض انسان کو اپنی زندگی میں اظہارِ مسرت کے بیگزوں مواقع پیش آتے ہیں لیکن یہ مسرت حد اعتدالی سے بڑھ کر نہیں ہونی چاہیے جب مسلمان کو کوئی مسرت حاصل ہو تو اس کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسی کے فضل و کرم سے اس کو یہ خوشی حاصل ہوئی اگر کوئی بڑی خوشی حاصل ہو تو سجدہ شکر بجالانا چاہیے تاکہ غایتِ مسرت کی حالت میں دنیوی غرور و غرور اور مستی کے بجائے انسان کی نیاز مندی کا اظہار ہو اجتماعی مسرت کے بہت سے مواقع ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ وسیع پیمانہ پر اجتماعی اظہارِ مسرت کا موقع عید الفطر اور عید الفصحیٰ کے دن پیش آتا ہے زمانہ جاہلیت اہل عرب نے دو دن مقرر کیے تھے جن میں وہ خوشیاں مناتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ دو دنوں میں خوشیاں مناتے تھے اب خدا نے ان کو مختارے لیے ان سے دو ہتر دنوں سے بدل دیا۔ یعنی عید الفطر اور عید الفصحیٰ کے دن۔ خوشی کے ان دنوں کی تعمین

## صدقہ فطر کے ضروری مسائل

(۵) بہتر یہ ہے کہ جس وقت لوگ نماز کے لیے عید گاہ جاتے ہیں اس سے پہلے ہی صدقہ فطر دیدے اگر پہلے نہ دیا تو خیر بعد سے ہی۔

(۶) کسی نے صدقہ فطر عید کے دن سے پہلے ہی رمضان میں دے دیا۔ تب بھی ادا ہو گیا۔ اب دوبارہ دینا واجب نہیں۔

(۷) اگر کسی نے عید کے دن صدقہ فطر نہ دیا تو معاف نہیں ہوا۔ اب کسی دن دینا چاہیے۔

(۸) صدقہ فطر اپنی طرف سے واجب ہے اور باپ پر اس کے نابالغ بچوں کی طرف سے بھی۔ بالغ مال دار بچے خود ذمہ دار ہیں۔ باپ پر دینا واجب نہیں۔ مال باپ بیوی کی طرف سے دینا بھی واجب نہیں۔

(۹) اگر چھوٹے بچے کے پاس اتنا مال ہو جتنے کے ہونے سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے جیسے اس کا کوئی رشتہ دار

مرگیا۔ اس کے مال سے اس بچے کو حصہ ملا۔ یا کسی اور طرح سے

بچے کو مال مل گیا تو اس بچے کے مال میں سے صدقہ فطر ادا کرے۔

لیکن اگر وہ بچہ عید کے دن صحیح صادق ہونے کے بعد پیدا ہوا ہو۔ تو اس کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔

(۱۰) جس نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھے

اس پر بھی صدقہ واجب ہے۔ اور جس نے روزے رکھے اس پر بھی واجب ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

(۱۱) صدقہ فطر میں اگر گیسوں یا گیسوں کا آٹا یا گیسوں

(۱) جو مسلمان اتنا مال دار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو یا اس پر زکوٰۃ تو واجب نہیں لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال و اسباب ہے جتنی قیمت پر زکوٰۃ۔

واجب ہو تو اس پر عید کے دن صدقہ دینا واجب ہے چاہے وہ سوداگری کا مال ہو یا سوداگری کا نہ ہو اور چاہے سال پورا

گزر چکا ہو یا نہ گزرا ہو۔ اور اس صدقہ کو شریعت کی اصطلاح میں صدقہ فطر کہتے ہیں لوگ اسے فطرانہ بھی کہ دیتے ہیں

(۲) اپنی رہائش کی ضرورت کے مطابق گھر اگرچہ بہت بڑا اور قیمتی ہو۔ اسی طرح ضرورت کے مطابق پہننے برتنے

کے بہت کپڑے قیمتی موجود ہوں یا سامان و اسباب ہے مگر وہ کام میں آیا کرتا ہے زائد از حاجت نہیں تو ایسی اشیاء کے

مالک پر صدقہ فطر نہ ہوگا۔ جب کہ اس کے پاس ضرورت سے زائد مقدار زکوٰۃ کی مالیت کی چیز اور کچھ نہ ہو۔

(۳) کسی کے پاس ضروری اسباب سے زائد مال اسباب

تو موجود ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے تو قرضہ بھرا کر کے دیکھو کیا بچتا ہے۔ اگر اتنی قیمت کا اسباب بچ رہے جتنے

میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو صدقہ فطر واجب ہے ورنہ نہیں۔

(۴) عید کے دن جس وقت فجر کا وقت آتا ہے اسی

وقت پر صدقہ واجب ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی فجر کا وقت آنے سے پہلے مر گیا اس پر صدقہ فطر واجب نہیں اس کے

مال میں سے نہ دیا جائے گا۔

ہے۔ جیسے بھائی۔ بہن۔ بھتیجی۔ بھانجی چچا۔ بھوپھی  
 ماموں۔ سوتیلی ماں۔ سوتیلو باپ۔ سوتیلہ دادا۔ ساس خمد  
 وغیرہ کو دینا درست ہے  
 (۱۹) نابالغ لڑکے کا باپ اگر مالدار ہو تو اس کو زکوٰۃ  
 دینا درست نہیں اور اگر لڑکا یا لڑکی بالغ ہو گئے اور خود  
 وہ مالدار نہیں۔ لیکن ان کا باپ مالدار ہے تو ان کو دینا۔  
 درست ہے۔

(۲۰) گھر کے ذکر چاکر خدمت گزار وغیرہ کو بھی زکوٰۃ  
 کا پیسہ دینا درست ہے۔ لیکن ان کی تنخواہ میں نہ حساب  
 کرے۔ بلکہ تنخواہ سے زائد بطور انعام و اکرام کے دیدے  
 اور دل میں صدقہ دینے کی نیت رکھے تو درست ہے۔

(۲۱) زکوٰۃ اور دوسرے صدقات میں سب سے زیادہ  
 اپنے رشتہ ناتہ کے لوگوں کا خیال رکھو کہ پہلے ان ہی لوگوں  
 کو دو لیکن ان کو دیتے وقت یہ بات نا کوئی ضروری نہیں کہ یہ  
 صدقہ و خیرات کی چیز ہے۔ ممکن ہے وہ صدقہ کے نام سے  
 لینا گوارا نہ کریں۔ اور ہوں محتاج و مستحق۔ اس لیے دل میں  
 صدقہ کی نیت کر کے بغیر صدقہ کا نام لیے کسی دوسری طرح ان کو  
 دے دیا کرو۔ ان کے چھوٹے بچوں کو عیدی کے نام سے بھی  
 دے سکتے ہو۔ انعام کے طعہ پر بھی دے سکتے ہو۔ حدیث شریفہ  
 میں آیا ہے کہ قربات والوں کو خیرات دینے سے دہرا ثواب  
 ملتا ہے۔ ایک تو خیرات کا دوسرا اپنے عزیزوں کے ساتھ  
 سلوک و احسان کرنے کا۔

(۲۲) ایک شہر کی زکوٰۃ و صدقات دوسرے شہر میں  
 بھیجا عام حالات میں تو کر دہ ہے۔ لیکن اگر دوسرے شہر میں  
 اس کے رشتہ دار رہتے ہوں ان کو بھیج دیا جائے والوں  
 کے اعتبار سے دہاں کے لوگ زیادہ محتاج ہیں۔ یا وہ لوگ  
 دین کے کام میں لگے ہیں مثلاً علم دین پڑھاتے ہیں۔ پڑھتے ہیں

کا ستودہ دینے والے ترائی تو لڑکے سیر یعنی انگریزی تول سے  
 آدھی چھٹانک اوپر پرانے دوسرے بلکہ احتیاط کے لیے پورے  
 دوسرے یا کچھ اور زیادہ دے دینا چاہیے۔ کیونکہ زیادہ ہونے  
 میں کچھ حرج نہیں ہے۔ بلکہ بہتر ہے۔ اور اگر جو کا اٹا دیوے  
 تو اس کا دونا دینا چاہیے۔

(۱۲) اگر گیسوں اور جو کے سوا کوئی اور اناج دیا۔  
 جیسے چنا۔ جوار تو اتنا دیوے کہ اس کی قیمت اتنے گیسوں  
 یا اتنے جو کے برابر ہو جائے۔ جتنے اوپر بیان ہوئے۔  
 (۱۳) اگر گیسوں اور جو نہیں دیے۔ بلکہ اتنے گیسوں  
 اور جو کی قیمت دیدی تو یہ سب سے بہتر ہے۔

(۱۴) ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک ہی فقیر کو دیدے  
 یا تھوڑا تھوڑا کر کے کئی فقیروں کو دیدے دونوں باتیں جائز  
 ہیں۔

(۱۵) اگر کئی آدمیوں کا صدقہ فطر ایک ہی کو دیدیا یہ بھی  
 درست ہے۔

(۱۶) صدقہ فطر کے مستحق بھی وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ  
 کے مستحق ہیں یعنی فقراء و مساکین اور ایسے لوگوں کو دیا جاتا  
 کہ جن کے پاس ضرورت زندگی سے زائد ساڑھے ہاون  
 تول چاندی یا اتنی قیمت کا سا زو سامان موجود نہ ہو۔

(۱۷) اپنی زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی رقم لینے ماں باپ  
 داوی دادا ثانی نانا پردادا وغیرہ جن لوگوں سے یہ پیرا  
 ہوا ہے ان کو دینا درست نہیں ہے۔ اسی طرح اپنی اولاد  
 اور پوتے پر ورتے نواسے وغیرہ جو لوگ اس کی اولاد میں  
 داخل ہیں ان کو بھی دینا درست نہیں۔ ایسے ہی بیوی اپنے  
 خاوند کو اور خاوند اپنی بیوی کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر نہیں  
 دے سکتے۔

(۱۸) اند رشتہ داروں کے سوا سب کو زکوٰۃ دینا درست

اور دین کی خدمت میں مصروف ہیں ان کو بھیج دینا تاکہ ان کی کمالت ہو سکے تو کردہ نہیں بلکہ بہتر ہے۔ طالب العنوں دیندار عالموں اور دین کی تبلیغ و اشاعت کرنے والوں کو دینا بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔

## عید کی نماز اور دوسرے کمالات

اسلام میں عید کا دن خوشی کا دن ہے۔ خوشی اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں فرض روزہ رکھنے اور بندگی کی توفیق دی اس دن دو رکعت نماز بطور شکر یہ کے پڑھنا واجب ہے۔ جو شرائط جمعہ کی نماز کی صحت اور وجوب کے لیے ہیں۔ وہی سب عید کی نماز میں بھی ہیں سوائے خطبے کے، کہ جمعہ کی نماز میں خطبہ فرض اور شرط ہے اور نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔ اور عیدین کی نماز میں شرط یعنی فرض نہیں بلکہ سنت ہے اور پیچھے پڑھا جاتا ہے۔ مگر عید کے خطبے کا سننا بھی مثل جمعہ کے خطبے کے واجب ہے۔ یعنی اس وقت بولنا چاہنا نماز پڑھنا سب حرام ہے۔

عید الفطر کے دن تیرہ چیزیں مستحسن ہیں۔ (۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا (۲) غسل کرنا (۳) مساک کرنا (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس (۵) موجود ہوں) پہننا (۶) خوشبو لگانا (۷) صبح کو بہت سیر سے اٹھنا (۸) عید گاہ میں بہت سیر سے جانا (۹) عید گاہ جانے سے قبل کوئی میٹھی چیز مثلاً چھوٹا بے وغیرہ کھانا (۱۰) عید گاہ جانے سے قبل صدقہ فطر نقد و مساکین کو دینا۔ (۱۱) عید کی نماز عید گاہ میں جا کر پڑھنا۔ یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا۔ (۱۲) جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا (۱۳) پاپادہ جانا (۱۴) راستے میں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا چاہیے۔

عید الفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نہایت کرے کہ میں نے یتیم کی دو رکعت واجب نماز عید چھ واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھیں۔ یہ نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہ کہ ہاتھ کاٹوں تک اٹھائے اور پھر ہاتھ باندھ لے اور سبحان اللہ آمین پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے۔ اور ہر مرتبہ تکبیر تحریمہ کے دونوں کاٹوں تک ہاتھ اٹھائے اور بعد تکبیر کے ہاتھ لٹکا دے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر تک توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ باندھ لے۔ اس کے بعد امام صاحب اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر حسب دستور رکوع اور سجدہ کر کے دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اور جو مقتدی پیچھے پڑھتے ہوئے ہاتھ باندھ کر خاموش کھڑے ہوں اور امام صاحب کی قرائت سنتے رہیں اور پھر اس کے ساتھ حسب دستور رکوع، قنوت اور سجدہ کر کے دوسری رکعت کے لیے کھڑے

ہو جائیں۔

ہوں تو وہ شخص تنہا عید نہیں پڑھ سکتا نہ اس پر اس کی قضا واجب ہے۔ ہاں اگر کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہو جائیں تو پڑھنا واجب ہے۔

اگر کسی عذر سے پہلے دن نماز نہ پڑھی جاسکے تو عید الفطر کی نماز دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے۔

بلا عذر عید الفطر کی نماز دوسرے روز تک مؤخر کرنا جائز نہیں اگر کوئی عذر نہ تھا۔ تو دوسرے روز نماز ہی نہ ہوگی۔ عذر کی مثال (۱) کسی وجہ سے امام نماز پڑھانے نہ آیا ہو۔ (۲) پانی برس رہا ہو۔ (۳) چاند کی تاریخ محقق نہ ہو۔ اور بعد از زوال جب وقت جاتا رہے محقق ہو جائے۔ (۴) اگر کے دن نماز پڑھی گئی ہو اور بعد ابر کھل جانے کے معلوم ہوا کہ بے وقت پڑھی گئی تھی۔

اگر کوئی شخص عید کی نماز میں ایسے وقت اگر شریک ہوا ہو کہ امام تکبیروں سے فراغت حاصل کر چکا ہو تو اگر قیام میں اگر شریک ہوا ہو تو نیت باندھنے کے بعد تکبیریں کہہ لے اگرچہ امام قرائت شروع کر چکا ہو۔ اور اگر رکوع میں آکر شریک ہوا ہو تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیروں کی فراغت کے بعد امام کا رکوع مل جائے گا تو نیت باندھ کر تکبیر کہہ لے۔ اس کے بعد رکوع میں جائے۔ اور رکوع نہ ملنے کا خوف ہو تو رکوع میں شریک ہو جائے اور حالت رکوع میں بجائے تسبیح تکبیریں کہہ لے۔ مگر حالت رکوع میں تکبیریں کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔ اور اگر قبل اس کے کہ یہ پوری تکبیریں کہہ چکے امام رکوع سے سر اٹھالے تو یہ بھی کھڑا ہو جائے۔ اور جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ اس سے معاف ہیں۔

اگر کسی کی ایک رکعت عید کی نماز میں چلی جائے۔ تو جب وہ اس کو ادا کرنے لگے۔ تو پہلے قرائت کہے اس کے بعد تکبیر کہے اگرچہ قاعدہ کے موافق پہلے تکبیر کہنا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ اس طریقے سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے درپے ہوتی جاتی ہیں۔

اگر کسی کی ایک رکعت عید کی نماز میں چلی جائے۔ تو جب وہ اس کو ادا کرنے لگے۔ تو پہلے قرائت کہے اس کے بعد تکبیر کہے اگرچہ قاعدہ کے موافق پہلے تکبیر کہنا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ اس طریقے سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے درپے ہوتی جاتی ہیں۔

امام دوسری رکعت میں پہلے سورہ فاتحہ اور سورت پڑھے۔ اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہے۔ لیکن بیان تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے۔ بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے۔ اور مقتدی سورہ فاتحہ اور دوسری سورت تو نہ پڑھے۔ امام صاحب کی قرائت سننا رہے۔ البتہ امام کیساتھ تکبیروں اور کالوں تک ہاتھ اٹھانے میں شریک ہوں

نماز کے بعد امام صاحب منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان میں اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعے کے خطبے میں یعنی اتنی دیر تک بیٹھنا کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں۔

نماز عیدین کے بعد یا خطبہ کے بعد دعا مانگنا گو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی طور پر اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں مگر چونکہ عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا سنوں ہے اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا عید کے خطبے میں پہلے تکبیر سے ابتدا کوئے۔ اول خطبے میں تو مرتبہ اللہ اکبر دوسرے میں سات مرتبہ۔

عید کی نماز کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہوتی۔ جہاں عید کی نماز پڑھی جائے وہاں اس دن اور کوئی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ نماز سے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ ہاں بعد نماز کے گھر میں اگر نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور قبل از نماز عید یہ بھی مکروہ ہے۔

عورتیں اور وہ لوگ جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھیں ان کو قبل از نماز عید کوئی نفل غیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔

عید الفطر کے خطبے میں صدقہ منظر کے احکام بیان کرنا چاہیے۔ صدقہ منظر کے ضروری مسائل ہم نے بھی درج کر دیے ہیں اگر کسی کو عید کی نماز نہ ملی ہو اور سب لوگ نماز پڑھ چکے

## بقیہ صفحہ نمبر ۳۲

کے سامنے علمی مواد اور دینی مضامین کا پیش بہا ذخیرہ اور مفید مجموعہ پیش فرما کر ان کو خوش کر دیا۔ اور ان کی دعائیں حاصل کیں اللہ تعالیٰ اس سعی و کوشش اور خدمت دین و علم کو قبول فرمائے اور مزید علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم یہ سفارش کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضرت قاری صاحب مدظلہ کی تعظیم سننے کا موقع نہیں مل سکتا۔ وہ اس کتاب کو ضرور مطالعہ کر کے اس ذریعہ سے ان کے علوم عالیہ سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور خط حاصل کریں اس کتاب کی کتابت و طباعت اگرچہ عام معیار کے مطابق قابلِ غور نہیں لیکن ہم اپنی قلبی خوشی اور ذوق کے مطابق ایسے معیاری مضامین و مقالات کے لیے رضامندی سمجھتے ہیں کہ کتابت و طباعت اور کاغذ اس عمدہ ہونا چاہئے اور تصحیح کتابت کی بھی بڑی کوشش کی جائے۔ خدا کرے کہ طبع ثانی کی نوبت بہت جلد آئے اور دوبارہ پھر یہ کتابت و طباعت کے ساتھ اعلیٰ کاغذ پر جلد کر ہو کر ظاہری حسن و جمال کے لحاظ سے بھی باہر نوازنا خاص عام ہو جائے۔

دنوں میں پہنچ جاتا ہے۔ تو گویا وہ اس قابل ہو جاتا ہے۔ کہ تجلیات الہی کا اس پر انعکاس ہو سکے۔ اور وہ ان کو گرفت کر سکے۔ شب قدر خدا کی سب سے بڑی نعمت کے نزول کی رات ہے۔ اور کسی نعمت کے نزول کی رات اسی شخص کے لیے برکت و سعادت کا سبب بن سکتی ہے۔ جو اس نعمت کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ ہو اور فی الواقع اس سے محبت رکھتا ہو جس کو اس نعمت سے حقیقی دل چسپی نہ ہو اور نہ وہ اس کی قدر و قیمت پہنچاتا ہو۔ وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اسی لیے حضرت بن مسعود رضی نے فرمایا ہے کہ جو شخص سال بھر کوشش کرتا ہے۔ اسی کو لیلۃ القدر ملتی ہے۔ نہ کہ صرف ایک رات جاگنے والے کو۔

اور یہ کسی صحابی کا مذہب نہیں ہے۔ اس لیے اس کے خلاف حکم دیا گیا۔

اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے اور رکوع میں اس کو خیال آئے تو اس کو چاہیے۔ کہ حالت رکوع میں تکبیر کہہ لے۔ پھر قیام کی طرف نہ لوٹے۔ اور اگر لوٹ جائے تب بھی جائز ہے یعنی نماز خاسد نہ ہوگی۔ لیکن ہر حال میں بوجہ کثرت از دھام کے سجدہ سمندر کرے۔

## بقیہ صفحہ ۲۲ اعتکاف

اللہ تعالیٰ نے نعمت قرآن کے نزول کے دن کو ایک یادگار قرار دیا ہے۔ اس دن وہ خاص طور پر اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ان کی دعائیں سنتا ہے اور اپنی رحمتوں سے انھیں نوازا ہے۔

شب قدر بارانِ رحمت کے نزول کی رات ہے۔ مگر اس کی نوعیت اس قسم کی بارش کی نہیں ہے۔ جیسے بادل سے پانی برستا ہے۔ تو تمام اونچی نیچی زمینیں تر ہو جاتی ہیں۔ چاہے وہ تر ہونا چاہیں یا تر نہ ہونا چاہیں۔ یہ دراصل ایک روحانی فیضان ہے۔ جو صرف ان ہی لوگوں کے حصہ میں آتا ہے جنہوں نے پہلے سے اس کی استعداد بہم پہنچائی ہو۔ اور اس پانی کی حقیقی طلب رکھتے ہوں اس مبارک رات کو روزہ گئے جینے میں لکھنا اسی استعداد کو فراہم کرنے کا ایک مفید موقع دیتا ہے۔ روزہ کا مہینہ دراصل گدازِ قلب پیدا کرنے کا مہینہ ہے اس مہینہ میں مشقت اور بے آرامی کو برداشت کر کے آدمی اپنی حیوانیت کو دباتا ہے۔ اور اپنی روحانیت کو ترقی دیتا ہے۔ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ گیلی منشی کو سکھا کر خشک کیا جائے تاکہ جب اس پر بارانِ رحمت کا نزول ہو تو وہ اچھی طرح اس کے اندر جذب ہو سکے اس طرح تیاری کرتے ہوئے جب وہ مہینے کے آخر

